OPEN ACCESS
MA'ARIF-E-ISLAMI (AIOU)
ISSN (Print): 1992-8556
ISSN (Online): 2664-0171
https://mei.aiou.edu.pk

عصمتِ محمدی ﷺ پر شبہات اور ان کا ازالہ

"Doubts over the infallibility of the Personality of Muhammad (PBUH) and their refutation"

محمد فاروق عبداللہ
لیکچرر، ڈیپارٹمنٹ آف ہیومینیٹیز، کامسیٹس یونیورسٹی اسلام آباد، لاہور کیمپس
ڈاکٹر محمد عبداللہ
پروفیسر، شیخ زاید اسلامک سینٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

Abstract

Muslims unanimously believe that the Qur'an is the last book of the Almighty, free from all imperfections. This is the true word of Almighty Allah and no distortion is possible in it. Muhammad is the servant and last messenger of Allah. The Qur'an defends the protection of the infallibility of all the prophets. Deniers of the Holy Prophet (PBUH), including some Orientalists, etc., raise some doubts and objections against the personality of Holy Prophet (PBUH) from some verses of the Holy Qur'an. Their purpose is to make the Prophet's prophet-hood and infallibility doubtful in the eyes of unaware and unknowing people. In the light of Islamic teachings, all the prophets and messengers are infallible and innocent, and no sin can be committed by them, so how can Islam tolerate insulting or degrading of other prophets- Therefore the humiliation of Muhammad's blessed personality is intolerable because he himself is the protector of the infallibility of all the prophets. This article will examine some of these doubts as well as answer them through the Qur'an, Sunn'ah and the commentators, which are accused by the orientalists on the personality of Holy Prophet Muhammad (PBUH).

Keywords: Qur'an, Orientalists, infallibility, Islam, Prophets

تعارف

قرآن حق و باطل کے لیے میزان اور فرقان اور تمام سلسلۂ وحی پر ایک ''مہیمن'' ہے یہ خدا کے آخری پیغمبر ﷺ پر نازل ہوا ہے۔ یہ اِس لیے نازل کیا گیا ہے کہ دین و شریعت کے معاملے میں لوگوں کے مابین تمام اختلافات کا فیصلہ کر دے اور اِس کے نتیجے میں وہ ٹھیک حق پر قائم ہو جائیں۔ قرآن نے اپنی یہ حیثیت اپنے لیے خود بیان فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ یہ میزان اور فرقان ہے اور پہلی کتابوں کے لیے اِس کی حیثیت ایک مہیمن کی ہے۔ جو محافظ اور نگران کے معنی میں آتا ہے۔ مدعا یہ ہے کہ کتاب الٰہی کا اصل قابل اعتماد نسخہ قرآن ہی ہے، لہٰذا دین کے معاملے میں ہر چیز کے رد و قبول کا فیصلہ اب اِسی کی روشنی میں کیا جائے گا۔

قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ﴾[1]

اور (اے پیغمبر)، ہم نے یہ کتاب تمھاری طرف حق کے ساتھ اتاری ہے، اُس کتاب کی تصدیق میں جو اِس سے پہلے موجود اور ان (سب) پر شامل ہے، اِس لیے تم اِن کے درمیان اُس ہدایت کے مطابق فیصلہ کرو جو اللہ نے نازل کی ہے اور اُس حق کو چھوڑ کر جو تمھارے پاس آچکا ہے، اِن کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو۔

یہی حقیقت ایک دوسرے مقام پر اِس طرح بیان ہوئی ہے:

﴿وَإِنَّه، لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ، لَّا يَأْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِه، تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ﴾.[2]

اور اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ ایک بلند پایہ کتاب ہے۔ اِس میں باطل نہ آگے سے داخل ہو سکتا ہے نہ اِس کے پیچھے سے یہ ایک صاحب حکمت اور ستودہ صفات ہستی کی طرف سے نہایت اہتمام کے ساتھ اتاری گئی ہے۔

قرآنِ کریم کی بعض آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ منکرینِ رسالت مآب ﷺ، جن میں یہود و نصاریٰ، مستشرقین وغیرہ بھی شامل ہیں، بعض شبہات اور اعتراضات حضرت رسولِ اکرم ﷺ پر وارد کرتے ہیں، اس سے ان کا مقصد آپؐ کی نبوت و رسالت اور عصمت کو جہلاء اور کم علم لوگوں کی نظروں میں مشکوک بنانا ہوتا ہے ذیل میں تمہیدی بحث کے بعد ایسے ہی چند شبہات کا جائزہ لیا جائے گا اور ساتھ ساتھ قرآن و سنت اور مفسرین کے ذریعے ان کا جواب بھی پیش کیا جائے گا۔ مسلمانوں کا متفقہ عقیدہ ہے کہ قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے جو تمام خامیوں و عیوب سے پاک ہے۔ اس کی ہر بات سچی ہے اور اس میں کسی بھی طرح کی تحریف ممکن نہیں۔ پھر یہ بھی کہ محمدؐ اللہ کے بندے اور آخری رسول ہیں۔ آپ ﷺ انسانوں میں سب سے معتبر شخصیت ہیں۔ لہٰذا قرآن کی ہر بات قابل یقین اور تمام احادیث قابل تقلید ہیں۔ اسلام میں تمام رسولوں پر ایمان لانا ضروری ہے۔ جو شخص کسی رسول پر ایمان نہ لائے گا وہ کافر ہو گا خواہ وہ باقی رسولوں کو مانتا ہو۔

آپؐ میں اور دوسرے پیغمبروں میں کیا فرق ہے! تو اس کو تین امور سے دیکھا جا سکتا ہے۔

۱۔ آپ ﷺ تا قیامت نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں۔

۲۔ دیگر انبیاء کی تعلیمات اپنی خالص صورت میں محفوظ نہیں ہیں۔

۳۔ دیگر انبیاء کی تعلیمات مکمل نہیں تھیں، احکام و قوانین میں ترمیم و اضافہ ہوتا رہا، لیکن آپ ﷺ کو ایسی تعلیمات دی گئیں جو ہر حیثیت سے مکمل ہیں اور آپ ﷺ کے بعد تمام انبیاء کی شریعتیں منسوخ ہو گئیں۔

سابقہ انبیاء کی عصمت پر ایمان: شریعت محمدی ﷺ کا تقاضا

یہودیت و عیسائیت نے تقریباً ہر ایک نبی کی عصمت کو داغدار بنادیا ہے عہد نامہ قدیم، جس پر دونوں مذاہب کا اتفاق ہے۔اس کی کتاب تخلیق میں حضرت آدمؑ، نوحؑ، ابراہیمؑ، لوطؑ یعقوب کے واقعاتؑ اور کتاب سلاطین اول دوم حضرت داؤد، حضرت سلیمان وغیرہ کے واقعات میں واضح طور توہین آمیز عبارات موجود ہیں۔[3] جبکہ مسیحیت میں عصمت کا تصور صرف حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ خاص ہے اور باقی انبیاء سے متعلق مسیحیت کے تصور میں عصمت لازم نہیں عیسائی آدم و حوا علیہما السلام اور ان کی نسل کے فرد کو گناہ گار مانتے ہیں۔چنانچہ James R. Clark رقمطراز ہے۔

The position is not assumed that the men of the New Dispensation —its prophets, apostles, presidencies, and other leaders—are without faults or infallible, rather they are treated as men of like passions with their fellow men. [4]

اس طرح کا کوئی مقام و مرتبہ روز ازل سے انسان کے لئے متصور نہیں خواہ وہ انبیاء، رسول، سربراہان ہو یا دیگر قائدین کہ وہ غلطیوں سے محفوظ اور معصوم ہیں بلکہ انہیں اسی طرح کا عام فرد مانا جاتا ہے جیسا کہ ان کے ماننے والے افراد کے جذبات ہوتے ہیں۔

اس کے برعکس قرآن کریم کی متعدد آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کرام ہر گناہ، خطا و لغزش سے معصوم (محفوظ) ہوتے ہیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۖ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ﴾[5]

("(یہی وہ لوگ ہیں) جن کو خدا نے ہدایت کی ہے، تو تم انہیں کی راہ چلو۔)

یعنی یہی وہ لوگ یعنی پیغمبرانِ خدا ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت فرمائی ہے پس اے رسولِ آخر الزمان ﷺ آپ ان کے فضیلت والے سب طریقوں کو اپنی سیرت میں جمع کر کے ان کی پیروی کریں تاکہ آپ کی ذات میں ان تمام انبیاء و رسل کے فضائل و کمالات یکجا ہو جائیں) اس آیت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اٹھارہ انبیاء کرام کے اسماء کا ذکر کیا ہے، اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے: "میں نے ان کے آباء و اولاد میں سے بھی بعض کو رسول بنایا، اور یہ وہ لوگ ہیں جن کی خود خدا نے ہدایت کی۔آیت مبارکہ "فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ" (یعنی انہیں کی راہ) سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمومی ہدایت نہیں ہے، بلکہ ایک ایسی ہدایت ہے جو صرف انبیاء علیہم السلام سے مخصوص ہے، لہٰذا اس ہدایت اور امتیاز کے ہوتے ہوئے کوئی نبی گناہ نہیں کر سکتا، اور نہ وہ ہدایت کے راستے سے گمراہ ہو سکتا ہے۔

چنانچہ دوسری آیت میں صراحت کے ساتھ ارشاد ہوا:

﴿وَمَن يَهْدِ ٱللَّهُ فَمَا لَهُۥ مِن مُّضِلٍّ﴾[6]

(اور جسے اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔)

مذکورہ دونوں آیتوں کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ تمام انبیاء و مرسلین کی ہدایت و راہنمائی اللہ تعالیٰ نے کی ہے، اور ہدایت بھی ایسی کی ہے کہ گناہ صغیرہ کا بھی کوئی نبی و رسول ارتکاب نہیں کر سکتا، لہٰذا جب ضلالت، گمراہی اور گناہ ان سے سرزد نہیں ہو سکتا تو اب دوسرے لوگوں کے لئے ضروری ہے کہ ان برگزیدہ افراد کی پیروی کریں۔ اب رہا ضلالت، گمراہی، معصیت اور نافرمانی کسے کہتے ہیں، تو قرآن میں اس کی بھی نشان دہی کی گئی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:

﴿أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَا بَنِي آدَمَ أَن لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ ۖ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ﴾[7]

(اے اولاد آدم! کیا میں نے تم سے عہد نہ لیا تھا کہ تم شیطان کی پیروی نہیں کرو گے؟ یقیناً وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔)

اس آیت میں شیطان کی پرستش اور پیروی کو گمراہی کہا گیا ہے، یعنی ہر وہ گمراہی اور معصیت جو شیطان کی وجہ سے وجود میں آئے اسے قرآن کی زبان میں ضلالت و گمراہی کہا جاتا ہے، لہٰذا تینوں آیتوں کا مفہوم یہ ہوگا: انبیاء و مرسلین ہر اس گمراہی اور معصیت سے محفوظ ہوتے ہیں جسے ضلالت کہا گیا ہے۔

لہٰذا خلاصہ یہ ہوا:

- انبیاء و رسول انہیں کو منتخب کیا جاتا ہے جن کو خدا نے اپنی خاص ہدایت سے نوازا ہو۔
- انبیاء و مرسلین میں ضلالت و گمراہی کا شائبہ بھی نہیں پایا جا سکتا، کیونکہ وہ خاص ہدایت سے نوازے گئے ہیں۔
- قرآن مجید کی اصطلاح میں ہر وہ معصیت اور انحراف جو خدائے تعالیٰ کے حکم کے مقابلہ میں ہو اسے ضلالت اور گمراہی کہا جاتا ہے۔

مذکورہ مطالب کی روشنی میں نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں تمام انبیاء و مرسلین پاک و پاکیزہ اور معصوم ہوتے ہیں، اور ان سے کوئی خطا اور گناہ سرزد نہیں ہو سکتا تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اسلام دیگر انبیاء کرام کی توہین یا تنقیص کو برداشت کر لے جب دیگر انبیاء کی اہانت قابل قبول نہیں۔ تو آپ ﷺ کی ذات بابرکت کی اہانت تو ناقابل برداشت ہے کیونکہ آپ ﷺ کی ذات تو خود تمام انبیاء کی عصمت کی محافظ ہے۔ اب ان شبہات کا جائزہ پیش کیا جا رہا ہے جو نبی اکرم ﷺ کی ذات پر مستشرقین کی طرف سے کئے جاتے ہیں۔

پہلا شبہ

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ ۖ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ۚ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ﴾[8]

(اے رسول جو کچھ بھی آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے پہنچا دیجئے۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ کی رسالت ادا نہیں کی، اور آپ کو اللہ تعالیٰ لوگوں سے بچالے گا، بیشک اللہ تعالیٰ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا"۔)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے کسی موقعہ پر اللہ کا حکم اس کے بندوں تک پہنچانے میں کوتاہی کی، جس کی وجہ سے یہ آیت نازل ہوئی؟ اور اگر کسی موقعہ پر آپ سے کوتاہی ہوئی تو یہ شان نبوت و منصب رسالت کے لائق نہیں۔

اس شبہ کی حقیقت

اس آیت کریمہ میں ایک طرف تو اس حقیقت کو واضح فرمادیا گیا کہ پیغمبر کی اصل حیثیت اللہ تعالیٰ ہی کے پیغام کو جوں کا توں اور بلا کم و کاست پہنچا دینے والے کی ہوتی ہے اسی لئے یہاں پر ان کو خطاب بھی الرسول کے وصف ہی کے ساتھ فرمایا گیا ہے جس کے معنی پیغام خداوندی کو پہنچا دینے والے کے ہوتے ہیں۔ اور اسکے ساتھ ہی اس حقیقت کی تاکید مزید کیلئے یہ تصریح بھی فرمائی گئی کہ اگر اس ضمن میں کوئی کوتاہی کی گئی تو یہ عین اس منصب میں کوتاہی ہوگی جس کی ادائیگی ہی کیلئے اللہ تعالیٰ کسی کو اپنا رسول مقرر فرماتا ہے۔

ابن کثیر (متوفی ۷۷۴ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ : لَمَّا نَزَلَتْ : (يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ) قَالَ : " يَا رَبِّ ، كَيْفَ أَصْنَعُ وَأَنَا وَحْدِي؟ يَجْتَمِعُونَ عَلَيَّ " . فَنَزَلَتْ (وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ) وَرَوَاهُ ابْنُ جَرِيرٍ مِنْ طَرِيقِ سُفْيَانَ – وَهُوَ الثَّوْرِيُّ – بِهِ . وَقَوْلُهُ : (وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ) أَيْ : بَلِّغْ أَنْتَ رِسَالَتِي ، وَأَنَا حَافِظُكَ وَنَاصِرُكَ وَمُؤَيِّدُكَ عَلَى [ص: ١٥٢] أَعْدَائِكَ وَمُظْفِرُكَ بِهِمْ ، فَلَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ ، فَلَنْ يَصِلَ أَحَدٌ مِنْهُمْ إِلَيْكَ بِسُوءٍ يُؤْذِيكَ [9].

حضرت مجاہد فرماتے ہیں جب یہ حکم نازل ہوا کہ جو کچھ اترا ہے سب پہنچادو تو حضور ﷺ نے فرمایا اللہ میں اکیلا ہوں اور یہ سب مل کر مجھ پر چڑھ دوڑتے ہیں، میں کس طرح کروں تو دوسرا جملہ اترا کہ اگر تو نے نہ کیا تو تو نے رسالت کا حق ادا نہیں کیا۔ پھر فرمایا تجھے لوگوں سے بچالینا میرے ذمہ ہے۔ تیرا حافظ و ناصر میں ہوں، بے خطر رہیئے نہ خوف کریں نہ غمگیں ہوں، وہ کوئی تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

تفسیر طبری میں اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے۔

وَهَذَا أَمْرٌ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى ذِكْرُهُ لِنَبِيِّهِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ , بِإِبْلَاغِ هَؤُلَاءِ الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى مِنْ أَهْلِ الْكِتَابَيْنِ الَّذِينَ قَصَّ اللَّهُ تَعَالَى قَصَصَهُمْ فِي هَذِهِ السُّورَةِ وَذَكَرَ فِيهَا مَعَايِبَهُمْ وَخُبْثَ أَدْيَانِهِمْ وَاجْتِرَاءَهُمْ عَلَى رَبِّهِمْ وَتَوَثُّبَهُمْ عَلَى أَنْبِيَائِهِمْ وَتَبْدِيلَهُمْ كِتَابَهُ وَتَحْرِيفَهُمْ إِيَّاهُ وَرَدَاءَةَ مَطَاعِمِهِمْ وَمَآكِلِهِمْ.[10]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ذکر تو آپ ﷺ کا کیا ہے، لیکن ابلاغ در حقیقت یہود و نصاریٰ سے ہے، جن کے بارے میں اسی سورت میں کئی قصے اور واقعات مذکور ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان یہود و نصاریٰ کے عیوب اور ان کے دینی خبث اور اللہ تعالیٰ پر ان کی جرات کا ذکر کیا گیا ہے۔ جنہوں نے انبیاء پر نازل ہونے والی کتب ردوبدل اور تحریف کر دی، اور اطاعت الہیٰ کو رد کر دیا۔

علامہ قرطبیؒ (متوفی ۶۷۱ھ) اس آیت کے بارے میں لکھتے ہیں۔

قِيلَ: مَعْنَاهُ أَظْهِرِ التَّبْلِيغَ، لِأَنَّهُ كَانَ فِي أَوَّلِ الْإِسْلَامِ يُخْفِيهِ خَوْفًا مِنَ الْمُشْرِكِينَ، ثُمَّ أُمِرَ بِإِظْهَارِهِ فِي هَذِهِ الْآيَةِ۔[11]

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ تبلیغ کا اظہار فرمائیں، کیونکہ اوائل اسلام میں مشرکین کے خوف کی وجہ سے مخفی دعوت دی جاتی تھی، لیکن پھر اس آیت میں اس کا اظہار کھل کر کرنے کا حکم ہوا ہے۔

تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے۔

يَقُولُ تَعَالَى مُخَاطِبًا عَبْدَهُ وَرَسُولَهُ مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاسْمِ الرِّسَالَةِ، وَآمِرًا لَهُ بِإِبْلَاغِ جَمِيعِ مَا أرسله الله به، وقد امتثل عليه أفضل الصلاة والسلام ذَلِكَ، وَقَامَ بِهِ أَتَمَّ الْقِيَامِ، ۔[12]

اپنے نبی ﷺ کو رسول کے پیارے خطاب سے آواز دے کر اللہ تعالیٰ حکم دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کل احکام لوگوں کو پہنچادو۔ حضور ﷺ نے بھی ایسا ہی کیا۔

رسول اللہ ﷺ کی پوری زندگی کا مطالعہ کرنے سے کسی بھی ایسے واقعہ کا سراغ نہیں ملتا، جو اس آیت کا پس منظر سمجھا جائے۔ آپؐ تو تمام انبیاء کرام کے سید اور امام ہیں، کسی بھی نبی سے یہ ممکن نہیں کہ وہ رسالت میں کوتاہی کا ارتکاب کرے۔ اللہ تعالیٰ جن کو اپنی رسالت کا تاج پہناتا ہے، ان کو اس عیب سے محفوظ رکھتا ہے۔ بالفاظِ دیگر جن لوگوں میں یہ عیب پایا جاتا ہو یا وہ کسی سے ڈر کر یا دب کر کتمانِ حق کے جرم میں مبتلا ہو سکتے ہوں اللہ علیم و خبیر کبھی ان کو نبوت و رسالت کے منصب کیلئے منتخب نہیں کرتا۔ جہاں تک نفسِ شبہ کا تعلق ہے اس سلسلہ میں اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ کا ارشادِ گرامی ہے:

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ إِسْمَاعِيلَ عَنْ الشَّعْبِيِّ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ مَنْ حَدَّثَكَ أَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَمَ شَيْئًا مِمَّا أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْهِ فَقَدْ كَذَبَ وَاللَّهُ يَقُولُ يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ الْآيَةَ۔[13]

حضرت مسروق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں، فرماتی ہیں کہ (اگر) کوئی شخص آپ سے یہ بات کہہ دے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ میں سے کچھ چھپایا ہے تو (یقین کر لو کہ) اس نے جھوٹ بولا، پھر اس آیت کو پڑھا: يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعہ تبلیغ کا حکم فرمادیا ہے اور انبیائے کرام اللہ کے حکم کے مطابق ہی تعلیم دیتے ہیں۔ یہاں پر یہ امر بھی ملحوظ رہنا چاہیے کہ اس تاکید شدید میں جو شدت ہے اس کا خطاب اگرچہ بظاہر آنحضرت ﷺ ہی سے ہے لیکن حقیقت میں اس کا اصل رخ منکرین و معاندین کی طرف ہے، جو آپ ﷺ سے وحی الٰہی کے اندر ترمیم و تغییر کے مطالبے کرتے تھے۔ تاکہ اس طرح ان کی خواہشات کا بھی لحاظ رکھا جائے۔ سو ان کو براہ راست خطاب کرنے کے بجائے پیغمبر کے توسط سے ان کو اس حقیقت سے آگاہ فرمایا گیا جس میں بلاغت کا یہ اسلوب کار فرما ہے کہ یہ لوگ براہ راست خطاب کے قابل نہیں ہیں۔ اس لئے ان پر بالواسطہ طور پر یہ نکیر فرمائی جاتی ہے، سو پیغمبر کا اصل کام، اور فرض منصبی یہی ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی وحی کو بتمام و کمال، جوں کا توں اور بلا کسی کمی بیشی کے آگے پہنچا دیں، پس ان کا کام ابلاغ اور اتباع ہوتا ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر اسکی تصریح فرمائی گئی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ ۙ قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا ائْتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَٰذَا أَوْ بَدِّلْهُ ۚ قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِن تِلْقَاءِ نَفْسِي ۖ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ ۖ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ -﴾[۱۴]

(اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں، جو بالکل صاف صاف ہیں تو یہ لوگ جن کو ہمارے پاس آنے کی امید نہیں یوں کہتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی دوسرا قرآن لائیے، یا اس میں کچھ ترمیم کر دیجئے آپ ﷺ یوں کہہ دیجئے کہ مجھے یہ حق نہیں کہ میں اپنی طرف سے اس میں ترمیم کر دوں، بس میں تو اس کی پیروی کرونگا جو میرے پاس وحی کے ذریعے پہنچا ہے اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ رکھتا ہوں)

آپ ﷺ کا ادائے رسالت و تبلیغ میں کماحقہٗ کوشش کا یہ نتیجہ تھا کہ حضرات صحابہ کرام نے جو کچھ آپ ﷺ سے سنا اس کو ذمہ داری کے ساتھ بھاری امانت سمجھ کر اوروں تک پہنچایا، اگر کسی خاص سبب یا مجبوری سے کسی خاص حدیث کو لوگوں سے بیان نہیں کیا تو اپنی وفات سے پہلے دو چار آدمیوں کو ضرور سنا دیا تاکہ وہ اس امانت سے سبکدوش ہو جائیں۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔

انہ ﷺ لو ترک ابلاغ البعض کان کمن لم یبلغ شیئا مما انزل اللہ و حاشا رسول اللہ ﷺ ان یکتم شیئا مما اوحی الیہ۔[۱۵]

اگر آپ ﷺ تبلیغ رسالت میں تھوڑی سی چیز بھی چھوڑ دیتے، تو ایسا ہوگا کہ کچھ بھی نہ پہنچایا۔ یعنی گویا تبلیغ رسالت کی ہی نہیں، اور یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ آپ ﷺ کو وحی کی جائے اور آپ اس میں سے کچھ چھپا کر رکھیں۔

قَالَ الزُّهْرِيُّ: مِنَ اللَّهِ الرِّسَالَةُ وَعَلَى الرَّسُولِ الْبَلَاغُ وَعَلَيْنَا التَّسْلِيمُ، وَقَدْ شَهِدَتْ له أمته بإبلاغ الرِّسَالَةِ وَأَدَاءِ الْأَمَانَةِ، وَاسْتَنْطَقَهُمْ بِذَلِكَ فِي أَعْظَمِ الْمَحَافِلِ فِي خُطْبَتِهِ يَوْمَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ، وَقَدْ كان هناك من أصحابه نَحْوٌ مِنْ أَرْبَعِينَ أَلْفًا-[16]

حضرت زہریؒ کا فرمان ہے کہ اللہ کی طرف سے رسالت ہے اور پیغمبر کے ذمے تبلیغ ہے اور ہمارے ذمہ قبول کرنا اور تابع فرمان ہونا ہے۔ حضور ﷺ نے اللہ کی سب باتیں پہنچادیں، اس کی گواہ آپ کی تمام امت ہے کہ فی الواقع آپ نے امانت کی پوری ادائیگی کی اور سب سے بڑی مجلس جو تھی، اس میں سب نے اس کا اقرار کیا یعنی حجۃ الوداع خطبے میں، جس وقت آپ کے سامنے چالیس ہزار صحابہ کا گروہ عظیم تھا"۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ حجۃالوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے اپنے خطبے میں فرمایا:

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي خُطْبَتِهِ يَوْمَئِذٍ : " أَيُّهَا النَّاسُ ، إِنَّكُمْ مَسْئُولُونَ عَنِّي ، فَمَا أَنْتُمْ قَائِلُونَ؟ " قَالُوا : نَشْهَدُ أَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ وَأَدَّيْتَ وَنَصَحْتَ . فَجَعَلَ يَرْفَعُ إِصْبَعَهُ إِلَى السَّمَاءِ وَيَقْلِبُهَا إِلَيْهِمْ وَيَقُولُ : " اللَّهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ ، اللَّهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ " -[17]

آپ نے اس خطبہ حجۃالوداع میں لوگوں سے فرمایا تم میرے بارے میں اللہ کے ہاں پوچھے جاؤ گے تو بتاؤ کیا جواب دو گے ؟ سب نے کہا ہماری گواہی ہے کہ آپ نے تبلیغ کر دی اور حق رسالت ادا کر دیا اور ہماری پوری خیر خواہی کی، آپ نے سر آسمان کی طرف اٹھا کر فرمایا اے اللہ ! کیا میں نے تیرے تمام احکامات کو پہنچادیا، اے اللہ ! کیا میں نے پہنچادیا؟۔

مطلب کہ چشم دید گواہ ہیں صحابہ کرام انہوں نے وضاحت کر دی کہ آپ ﷺ نے ابلاغ ورسالت میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ اب رہتی ہے بات کہ پھر یہ حکم عبث ہوگا، تو اس سلسلہ میں عرض یہ ہے۔

روی عن الحسن اَنَّ اللہ تعالٰی بعث رسوله ﷺ ضاق ذرعا وعَرِفَ اَنَّ مِنَ الناس مَن يُّكَذِّبُه فَأُنزِلَ هذه الآية - [۱۸]

اللہ تعالیٰ نے جب آپ ﷺ کو مبعوث فرمایا تو بتقاضہ بشریت آپ ﷺ نے تنگی محسوس کی اور محسوس کیا کہ کچھ لوگ آپ کو جھٹلائیں گے تب یہ آیت نازل ہوئی۔

تو اس حکم کا مقصد ہمت دلانا ہے نہ کہ کوتاہی کی نشاندہی کرنا۔ اس حکم کے بعد آپ ﷺ کو تسلی دی جاتی ہے واللہ یعصمک من الناس یعنی لوگ آپ کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ خود آپ کی حفاظت فرمائیں گے۔

مولانا شبیر عثمانیؒ لکھتے ہیں۔

بلاشبہ نبی کریم ﷺ کے حق میں تبلیغ کے فرائض کی انجام دہی پر بیش از بیش ثابت قدم رکھنے کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی موثر عنوان نہ ہو سکتا تھا۔ آپ ﷺ نے بیس بائیس سال تک جس بے نظیر اولوالعزمی، جانفشانی، مسلسل جدوجہد

اور صبر واستقلال سے فرض رسالت و تبلیغ کو ادا کیا، وہ اس کی واضح دلیل تھی کہ آپ کو دنیا میں ہر چیز سے بڑھ کر اپنے فرض منصبی (رسالت وبلاغ) کی اہمیت کا احساس ہے۔ حضور ﷺ کے اس احساس قوی اور تبلیغی جہاد کو ملحوظ رکھتے ہوئے وظیفہ تبلیغ میں مزید استحکام ومتشبت کی تاکید کے موقع پر موثر ترین عنوان یہ ہی ہو سکتا تھا کہ حضور (ﷺ) کو يَاأَيُّهَا الرَّسُوْلُ سے خطاب کر کے صرف اتنا کہہ دیا جائے کہ اگر بفرض محال تبلیغ میں ادنی سی کوتاہی ہوئی تو سمجھو کہ آپ اپنے فرض منصبی کے ادا کرنے میں کامیاب نہ ہوئے۔ اور ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کی تمام تر کوششوں اور قربانیوں کا مقصد وحید ہی یہ تھا کہ آپ ﷺ خدا کے سامنے فرض رسالت کی انجام دہی میں اعلیٰ سے اعلیٰ کامیابی حاصل فرمائیں ۔لہذا یہ کسی طرح ممکن ہی نہیں کہ کسی ایک پیغام کے پہنچانے میں بھی ذرا سی کوتاہی کریں۔[19]

علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں۔

قَوْلُهُ تَعَالَى : وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ فِيهِ دَلِيلٌ عَلَى نُبُوَّتِهِ ; لِأَنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ أَخْبَرَ أَنَّهُ مَعْصُومٌ ، وَمَنْ ضَمِنَ سُبْحَانَهُ لَهُ الْعِصْمَةُ فَلَا يَجُوزُ أَنْ يَكُونَ قَدْ تَرَكَ شَيْئًا مِمَّا أَمَرَهُ اللَّهُ بِهِ ۔[20]

اللہ تعالی کے اس قول (آپ کو اللہ تعالی لوگوں سے بچالے گا) میں آپ ﷺ کی نبوت کی عصمت کی دلیل ہے کیونکہ اللہ تعالی نے خبر دی ہے کہ آپ ﷺ معصوم ہیں اور جس عصمت کی گواہی اللہ تعالی نے خود دی تو کسی کے لئے جائز نہیں کہ اس حکم کو ترک کرے جو اللہ تعالی کی طرف سے آیا۔

دوسرا شبہ

سورۃ الانعام میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ ۖ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِم مِّن شَيْءٍ وَمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِم مِّن شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُونَ مِنَ الظَّالِمِينَ﴾[21]

(''اور ان لوگوں کو نہ نکالئے جو صبح شام اپنے پروردگار کی عبادت کرتے ہیں، خاص اس کی رضامندی کا قصد رکھتے ہیں۔ ان کا حساب ذرا بھی آپ کے متعلق نہیں اور آپ کا حساب ذرا بھی ان کے متعلق نہیں کہ آپ ان کو نکال دیں۔ ورنہ آپ ظلم کرنے والوں میں سے ہو جائیں گے''۔)

اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ سے امراءِ مکہ نے غرباء فقراء کو مجلس سے دور کرنے کا مطالبہ کیا تو آپ نے ان مسلمان فقراء کو کفار کے کہنے پر ہٹانے، دھتکارنے کا ارادہ کیا اس لئے آپ کو روکا گیا، تو مسلمانوں کو اس طرح اس وجہ سے دھتکارنا گناہ ہے۔

اس شبہ کی حقیقت

آیت کریمہ سے یہ ثابت بالکل نہیں ہوتا کہ آپ ﷺ نے ان مساکین وضعیف مسلمانوں کو دور کرر کھا تھا۔ یعنی یہ بے سہارا اور غریب مسلمان، جو بڑے اخلاص سے رات دن اپنے رب کو پکارتے ہیں یعنی اس کی عبادت کرتے ہیں، آپ مشرکیں کے اس طعن یا مطالبہ سے اے محمد ﷺ تمہارے ارد گرد تو غربا و فقرا کا ہی ہجوم رہتا ہے ذرا انھیں ہٹاؤ تو ہم بھی تمہارے پاس بیٹھیں، ان غربا کو اپنے سے دور نہ کرنا، بالخصوص جب کہ آپ کا کوئی احسان ان کے متعلق نہیں اور اگر ایسا کریں گے تو یہ ظلم ہوگا جو آپ کی شایان شان نہیں۔ مقصد امت کو سمجھانا ہے کہ بے وسائل لوگوں کو حقیر سمجھنا یا ان کی صحبت سے گریز کرنا اور وابستگی نہ رکھنا، یہ نادانوں کا کام ہے۔ اہل ایمان کا نہیں۔ اہل ایمان تو اہل ایمان سے محبت رکھتے ہیں چاہے وہ غریب اور مسکین ہی کیوں نہ ہو۔

اور ابن جریرؒ نے تفسیر طبریؒ میں عکرمہؒ سے روایت کیا ہے۔

جَاءَ عُتْبَةُ بْنُ رَبِيعَةَ وَشَيْبَةُ بْنُ رَبِيعَةَ وَمُطْعِمُ بْنُ عَدِيٍّ وَالْحَرْثُ بْنُ نَوْفَلٍ وَقُرَظَةُ بْنُ عَبْدِ عَمْرِو بْنِ نَوْفَلٍ فِي أَشْرَافٍ مِنْ بَنِي عَبْدِ مَنَافٍ مِنَ الْكُفَّارِ إِلَى أَبِي طَالِبٍ، فَقَالُوا: يَا أَبَا طَالِبٍ، لَوْ أَنَّ ابْنَ أَخِيكَ يَطْرُدُ عَنْهُ مَوَالِينَا وَحُلَفَاءَنَا، فَإِنَّمَا هُمْ عَبِيدُنَا وَعُسَفَاؤُنَا، كَانَ أَعْظَمَ فِي صُدُورِنَا وَأَطْوَعَ لَهُ عِنْدَنَا وَأَدْنَى لِاتِّبَاعِنَا إِيَّاهُ وَتَصْدِيقِنَا لَهُ، قَالَ: فَأَتَى أَبُو طَالِبٍ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَحَدَّثَهُ بِالَّذِي كَلَّمُوهُ بِهِ، فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: لَوْ فَعَلْتَ ذَلِكَ حَتَّى نَنْظُرَ مَا الَّذِي يُرِيدُونَ وَإِلَامَ يَصِيرُونَ مِنْ قَوْلِهِمْ، فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى هَذِهِ الْآيَةَ: [22]

عتبہ بن ربیعہ، شیبہ، مطعم بن عدی، حارث بن نوفل، عبد مناف کے شرفاء ابو طالب کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اگر تمہارا بھتیجا اپنے پاس سے ان غلاموں کو ہٹادے تو وہ ہمارے دلوں میں بہت محترم ہے اور ہم اس کی خوشی اور اطاعت کے بہت قریب ہیں، ابو طالب نے اس چیز کا رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے تذکرہ کیا، اس پر حضرت عمر فاروقؓ بولے اگر آپ ایسا کرلیں تو پھر دیکھیے کیا برتاؤ آپ کے ساتھ کریں گے، اس پر اللہ تعالی نے یہ آیات نازل فرمائیں، اور یہ مسلمان غلام حضرت بلالؓ، عمار بن یاسرؓ، سالم مولی ابی حذیفہؓ، صالح مولی اسیدؓ، ابن مسعودؓ، مقداد بن عبداللہؓ، اور واقد بن عبداللہؓ تھے، اس کے بعد عمر فاروقؓ حاضر ہوئے اور انہوں نے قول سے معذرت طلب کی تو ان کے بارے قرآن کریم کی یہ آیت "۔واذا جاء ک الذین یؤمنون "۔نازل ہوئی۔

تفسیر البغوی میں لکھا ہے۔

قَالَ سَلْمَانُ وَخَبَّابُ بْنُ الْأَرَتِّ : فِينَا نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ ، جَاءَ الْأَقْرَعُ بْنُ حَابِسٍ التَّمِيمِيُّ وَعُيَيْنَةُ بْنُ حِصْنٍ الْفَزَارِيُّ وَذَوُوهُمْ مِنَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ ، فَوَجَدُوا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاعِدًا مَعَ بِلَالٍ وَصُهَيْبٍ وَعَمَّارٍ وَخَبَّابٍ فِي نَاسٍ مِنْ ضُعَفَاءِ الْمُؤْمِنِينَ ، فَلَمَّا رَأَوْهُمْ حَوْلَهُ حَقَّرُوهُمْ ، فَأَتَوْهُ فَقَالُوا : يَا رَسُولَ اللَّهِ لَوْ جَلَسْتَ فِي صَدْرِ الْمَجْلِسِ وَنَفَيْتَ عَنَّا هَؤُلَاءِ وَأَرْوَاحَ جِبَابِهِمْ – وَكَانَ عَلَيْهِمْ جِبَابٌ صُوفٌ لَمْ يَكُنْ عَلَيْهِمْ غَيْرُهَا – لَجَالَسْنَاكَ وَأَخَذْنَا عَنْكَ

، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهُمْ : " مَا أَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِينَ " قَالُوا فَإِنَّا نُحِبُّ أَنْ تَجْعَلَ لَنَا مِنْكَ مَجْلِسًا نَعْرِفُ بِهِ الْعَرَبُ فَضْلَنَا ، فَإِنَّ وُفُودَ الْعَرَبِ تَأْتِيكَ فَنَسْتَحِي أَنْ تَرَانَا الْعَرَبُ مَعَ هَؤُلَاءِ الْأَعْبُدِ ، فَإِذَا نَحْنُ جِئْنَاكَ فَأَقِمْهُمْ عَنَّا ، فَإِذَا فَرَغْنَا فَاقْعُدْ مَعَهُمْ إِنْ شِئْتَ ، قَالَ : نَعَمْ ، قَالُوا : اكْتُبْ لَنَا عَلَيْكَ بِذَلِكَ كِتَابًا ، قَالَ : فَدَعَا بِالصَّحِيفَةِ وَدَعَا عَلِيًّا لِيَكْتُبَ ، قَالُوا وَنَحْنُ قُعُودٌ فِي نَاحِيَةٍ إِذْ نَزَلَ جِبْرِيلُ بِقَوْلِهِ : (وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ)۔[23]

حضرت سلمان فارسیؓ اور خباب بن الارتؓ نے بیان فرمایا۔ یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی۔ اقرع بن یابس تمیمی اور عیینہ بن حصن فزاری اور دوسرے لوگ جو مؤلفہ القلوب میں سے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے (یہ لوگ اپنے قبیلوں کے رؤسا تھے) جب یہ آئے تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ بلالؓ، صہیبؓ، عمارؓ، خبابؓ اور بعض دیگر صحابہؓ کے ساتھ تشریف فرما ہیں یہ وہ صحابہ تھے جنہیں دنیاوی اعتبار سے کمزور سمجھا جاتا تھا۔ آنے والے رؤسا نے جب ان کو آپ کے پاس بیٹھا ہوا دیکھا تو ان پر حقارت کی نظریں ڈالیں اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اچھا ہوتا آپ ممتاز جگہ پر بیٹھتے اور ان لوگوں کو ہم سے دور کر دیتے۔ ان کے کپڑوں میں بو آ رہی ہے ان سے ہم محفوظ ہو جاتے ان حضرات کے اس وقت اونی کپڑے تھے۔ ان کے علاوہ دوسرے کپڑے موجود نہ تھے۔ ان رؤسا نے کہا کہ اگر ان کہ ہٹا دیں اور اپنے سے دور کر دیں تو ہم آپ کے ساتھ بیٹھیں اور کچھ حاصل کریں آپ نے فرمایا میں مومنین کو دور کرنے والا نہیں ہوں۔ انہوں نے کہا تو آپ یوں کیجیے کہ ہمارے لیے کوئی مجلس خاص مقرر فرما دیجیے تاکہ عرب لوگ ہماری فضیلت جان لیں آپ کے پاس عرب کے وفد آتے ہیں۔ ہمیں اس بات سے شرم آتی ہے کہ عرب کے لوگ ہمیں ان لوگوں کے پاس بیٹھا ہوا دیکھیں۔ جب ہم آیا کریں تو آپ ان کو اٹھا دیا کریں۔ پھر جب ہم فارغ ہو جائیں تو اگر آپ چاہیں تو ان کے ساتھ تشریف رکھیں آپ نے فرمایا ہاں! یہ کر سکتا ہوں کہنے لگے اس بات کی توثیق کے لیے ہمیں لکھ کر دیجیے آپ نے کاغذ منگوایا اور حضرت علیؓ کو لکھنے کے لیے بلوایا۔ حضرت سلیمانؓ اور خبابؓ فرماتے ہیں کہ اس وقت ہم ایک گوشے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اسی وقت جبرائیل علیہ السلام آیت کریمہ (وَ لَا تَطْرُدِ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ) لے کر نازل ہوئے۔

صحیح مسلم میں حضرت سعدؓ سے ایک حدیث روایت ہے۔

كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِتَّةَ نَفَرٍ فَقَالَ الْمُشْرِكُونَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اطْرُدْ هَؤُلَاءِ لَا يَجْتَرِئُونَ عَلَيْنَا قَالَ وَكُنْتُ أَنَا وَابْنُ مَسْعُودٍ وَرَجُلٌ مِنْ هُذَيْلٍ وَبِلَالٌ وَرَجُلَانِ لَسْتُ أُسَمِّيهِمَا فَوَقَعَ فِي نَفْسِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ يَقَعَ فَحَدَّثَ نَفْسَهُ فَأَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ وَلَا تَطْرُدْ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ

وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ۔[24]

کہ ہم چھ آدمی نبی ﷺ کے ساتھ تھے تو مشرک لوگوں نے نبی ﷺ سے کہا آپ ﷺ ان لوگوں کو اپنے پاس سے ہٹادیں تو یہ ہم پر جرات نہیں کر سکیں گے حضرت سعدؓ فرماتے ہیں کہ میں اور حضرت ابن مسعودؓ اور ہذیل کا ایک آدمی اور حضرت بلال اور دو آدمی جن کا نام نہیں جانتا تھا تو رسول اللہ کے دل میں جو اللہ نے چاہا واقع ہوا اور آپ ﷺ نے اپنے دل ہی میں باتیں کیں تو اللہ عزوجل نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی ان لوگوں کو دور نہ کرو جو اپنے رب کو صبح شام پکارتے ہیں اور اس کی رضا چاہتے ہیں۔

علامہ بغویؒ تفسیر خازن میں لکھتے ہیں:

ان النبی ﷺ ماطردهم ولا همَّ بطردهم لأجل الاستخفاف بهم والاستنكاف من فقرهم وانما كان هذا الهم لمصلحة وهو التلطف بهؤلاء الاشراف فی ادخالهم فی الاسلام فكان ترجيح هذا لجانب اولٰی وهو اجتهاد منه فاعلمهُ الله تعالٰی ان ادناء هؤلاء الفقراء اولٰی من الهم بطردهم۔[25]

"آپ ﷺ نے ان فقراء مسلمین کو ان کے فقر کی وجہ سے معمولی سمجھ کر یا نفرت کرتے ہوئے نہ دھتکارا تھا نہ دھتکارنے کا ارادہ کیا تھا، آپ ﷺ کا ارادہ ایک مصلحت کا تھا وہ ان امراء ورؤساء مکہ کے ساتھ کچھ نرمی کا تھا تاکہ وہ اسلام میں داخل ہو جائیں، پس اس جانب آپ نے ترجیح اولی سمجھی یہ آپ کا اجتہاد تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو معلوم کروایا کہ ان فقراء کو قریب رکھنا اس ارادہ سے بھی اولی ہے۔

تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ان مساکین کو دھتکارنے کا ارادہ بھی نہیں کیا تھا۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے آپ ﷺ نے روساء مشرکین کے ساتھ جدا وقت میں الگ مجلس قائم کرنے کیلئے سوچا ہو، اس کو مجازاً طرد سے تعبیر فرمادیا گیا ہو، کہ ایسا کرنا بھی آپ کے شانِ عالی کے منافی ہے۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں۔

وإنما وظيفتك حسبما هو شأن منصب الرسالة النظر إلى ظواهر الأمور وإجراء الأحكام على موجبها وتفويض البواطن وحسابها إلى اللطيف الخبير ، وظواهر هؤلاء دعاء ربهم بالغداة والعشي وروي عن ابن زيد أن المعنى ما عليك شيء من حساب رزقهم أي من فقرهم ، والمراد لا يضرك فقرهم شيئا ليصح لك الإقدام على ما أراده المشركون منك فيهم وما من حسابك عليهم من شيء عطف على ما قبله ، وجيء به مع أن الجواب قد تم بذلك مبالغة في بيان كون انتفاء حسابهم عليه عليه الصلاة والسلام بنظمه في سلك ما لا شبهة فيه أصلا وهو انتفاء كون حسابه صلى الله عليه وسلم [٢٦]

یہ تقدیر اس صورت میں ہے جبکہ حسابھم اور علیھم کی ضمیریں (اَلَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ) کی طرف راجع ہوں اور بعض مفسرین نے ان ضمیروں کو رؤسا مشرکین کی طرف راجع کیا ہے اور آیت کا یہ مطلب بتایا ہے کہ یہ لوگ ایمان لائیں یا نہ لائیں آپ غرباء مسلمین کے مقابلہ میں ان کی پرواہ نہ کریں کیونکہ ان کے حساب کی ذمہ داری آپ پر نہیں جیسا کہ آپ کے حساب کی ذمہ داری ان پر نہیں۔ اگر یہ ذمہ داری آپ پر ہوتی یعنی ان کے مسلمان نہ ہونے پر آپ سے مواخذہ ہوتا تو اس صورت میں آپ ان کی وجہ سے غرباء مسلمین کو مجلس سے ہٹا سکتے تھے اور جب ایسا نہیں تو ان غرباء کو مجلس سے ہٹانا بے انصافی ہے۔ (فَتَطْرُدَھُمْ فَتَکُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ) میں اسی بے انصافی کو بیان فرمایا۔

امام قرطبیؒ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں۔

فَإِنْ فَعَلْتَ كُنْتَ ظَالِمًا. وَحَاشَاهُ مِنْ وُقُوعِ ذَلِكَ مِنْهُ، وَإِنَّمَا هَذَا بَيَانٌ لِلْأَحْكَامِ، وَلِئَلَّا يَقَعَ مِثْلُ ذَلِكَ مِنْ غَيْرِهِ مِنْ أَهْلِ السَّلَامِ وَهَذَا مِثْلُ قَوْلِهِ:" لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ" «۱»] الزمر: ۶۵] وَقَدْ عَلِمَ اللَّهُ مِنْهُ أَنَّهُ لَا يُشْرِكُ وَلَا يَحْبَطُ عَمَلُهُ". ،[27]

اگر آپ ایسا کریں تو آپ ظلم کا ارتکاب کریں گے۔ پناہ بخدا! کہ ایسا فعل حضور سرور عالم ﷺ سے صادر ہو۔ یہ تو محض احکام الٰہی کا بیان ہے تاکہ حضور ﷺ کے علاوہ کسی فرزند اسلام سے بھی ایسی حرکت صادر نہ ہو۔ اور اس کی مثال اللہ تعالیٰ کے اس قول کی سی ہے۔ "کہ اگر تو نے شرک کیا تو بلاشبہ تیرا عمل ضائع ہو جائے گا اور بالیقین تو زیاں کاروں میں سے ہو جائے گا"۔ جبکہ اللہ کے علم میں ہے کہ نہ وہ شرک کریں گے اور نہ ان کے اعمال ضائع ہوں گے۔

واضح رہے کہ انبیاء سے شرک کا صدور محال ہے۔ کیونکہ وہ جن مقاصد کے لئے مبعوث کئے جاتے ہیں ان میں اولین مقصد شرک کی بیخ کنی اور توحید کی ترویج ہوتا ہے۔ اسی بات پر وہ خود قائم رہتے اور دوسروں کو دعوت دیتے ہیں۔ یہاں جو آپ کو مخاطب کر کے یہ بات کہی گئی ہے۔ تو اس سے شرک کی انتہائی مذمت مقصود ہے۔ خطاب اگرچہ نبی ﷺ سے ہے جو شرک سے پاک بھی تھے اور آئندہ کے لئے محفوظ بھی۔ کیونکہ پیغمبر اللہ کی حفاظت و عصمت میں ہوتا ہے ان سے ارتکاب شرک کا کوئی امکان نہیں تھا، لیکن دراصل امت کے لئے تعریض اور اس کو سمجھانا مقصود ہے۔

باقی یہ بات کہ فتکون من الظالمین فرمایا گیا یعنی اسکو ظلم سے تعبیر کیا گیا، تو اسکا جواب یہ ہے۔

فان الظلم فی اللغة وضع الشی فی غیر موضعہٖ فیکون المعنی ان اولئک الفقراء الضعفاء یستحقون التعظیم والتقریب۔[28]

ظلم کے لغوی معنی بے جا اور بے موقعہ کام کرنے کے ہیں پس مطلب ہوگا کہ ان فقراء و مساکین کو قریب رکھنا ان کا حق ہے، اس لحاظ سے خلافِ اولیٰ کو ظلم کہا گیا ہے، رہی بات یہ کہ بعض روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی ایسا مشورہ دیا تھا، پھر حضرت عمرؓ نے عذر بھی کیا تھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت صحیح نہیں ہے۔

تیسرا شبہ اور اس کا جواب

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَه اَسْرٰي حَتّٰي يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ﴾۔[۲۹]

(نبی کو نہیں چاہیے کہ قیدیوں کو اپنے ہاں رکھے، جب تک خوب خونریزی نہ کرلے زمین میں)

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ قتل عام کیئے بغیر قیدیوں کو رکھنا درست نہ تھا۔

جنگ بدر میں ستر کفار قتل کئے گئے اور ستر قیدی بنائے گئے، ان قیدیوں کے سلسلہ میں آپ ﷺ نے حضرات صحابہ کرام سے مشورہ لیا تھا حضرات صحابہ کرام کی اکثریت نے قیدی بنانے اور فدیہ لے کر چھوڑ دینے کی تجویز دی تھی، اگر قید نہ کرنے بلکہ قتل کرنے کا کوئی نص ہوتا تو یقیناً آپ ﷺ مشورہ نہ لیتے۔ لہٰذا اس عمل کو کسی بھی طرح گناہ نہیں کہا جاسکتا۔ جنگ بدر میں ستر کافر مارے گئے اور ستر ہی قیدی بنالئے گئے، یہ کفر و اسلام کا چونکہ پہلا معرکہ تھا۔ اس لئے قیدیوں کے بارے میں کیا طرز عمل اختیار کیا جائے؟ ان کی بابت احکام پوری طرح واضح نہیں تھے چنانچہ نبی ﷺ نے ان ستر قیدیوں کے بارے میں مشورہ کیا کہ کیا کیا جائے؟ ان کو قتل کر دیا جائے یا فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے؟ جواز کی حد تک دونوں ہی باتوں کی گنجائش تھی۔ اس لئے دونوں ہی باتیں زیر غور آئیں۔

علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں۔

هَذِهِ الْآيَةُ نَزَلَتْ يَوْمَ بَدْرٍ، عِتَابًا مِنَ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ لِأَصْحَابِ نَبِيِّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. وَالْمَعْنَى: مَا كَانَ يَنْبَغِي لَكُمْ أَنْ تَفْعَلُوا هَذَا الْفِعْلَ الَّذِي أَوْجَبَ أَنْ يكون للنبي، صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَسْرَى قَبْلَ الْإِثْخَانِ «١». وَهُمْ هَذَا الْإِخْبَارُ بِقَوْلِهِ" تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيا". وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَأْمُرْ بِاسْتِبْقَاءِ الرِّجَالِ وَقْتَ الْحَرْبِ، وَلَا أَرَادَ قَطُّ عَرَضَ الدُّنْيَا، وَإِنَّمَا فَعَلَهُ جُمْهُورُ مُبَاشِرِي الْحَرْبِ، فَالتَّوْبِيخُ وَالْعِتَابُ إِنَّمَا كَانَ مُتَوَجِّهًا بِسَبَبِ مَنْ أَشَارَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَخْذِ الْفِدْيَةِ. هَذَا قَوْلُ أَكْثَرِ الْمُفَسِّرِينَ، وَهُوَ الَّذِي لَا يَصِحُّ غَيْرُهُ۔[۳۰]

یہ آیت بدر کے روز نازل ہوئی اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے صحابہ پر عتاب فرمایا جارہا ہے آیت کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے لیے یہ ہر گز مناسب نہ تھا کہ تم کفار کی قوت کو پوری طرح کچل دینے سے پہلے انہیں قیدی بناتے اور ان سے فدیہ وصول کرتے۔ تم دنیا کے سامان کا ارادہ رکھتے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے نہ کفار کو قید کرنے کا حکم دیا اور نہ متاع دنیا کو کبھی لائق اعتناء سمجھا یہ غلطی عام مجاہدین سے سرزد ہوئی پس یہ عتاب

انہیں لوگوں پر ہے جنہوں نے فدیہ لینے کا مشورہ دیا۔ علامہ قرطبیؒ رحمۃ اللہ علیہ آخر میں فرماتے ہیں: اکثر مفسرین کا یہی قول ہے۔ اور اس کے بغیر اس آیت کی کوئی توجیہ درست نہیں۔

مسند امام احمد میں ہے۔

عَنْ أَنَسٍ وَذَكَرَ رَجُلًا عَنِ الْحَسَنِ قَالَ اسْتَشَارَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّاسَ فِي الْأُسَارَى يَوْمَ بَدْرٍ فَقَالَ إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ أَمْكَنَكُمْ مِنْهُمْ قَالَ فَقَامَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ اضْرِبْ أَعْنَاقَهُمْ قَالَ فَأَعْرَضَ عَنْهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثُمَّ عَادَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللَّهَ قَدْ أَمْكَنَكُمْ مِنْهُمْ وَإِنَّمَا هُمْ إِخْوَانُكُمْ بِالْأَمْسِ قَالَ فَقَامَ عُمَرُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ اضْرِبْ أَعْنَاقَهُمْ فَأَعْرَضَ عَنْهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثُمَّ عَادَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لِلنَّاسِ مِثْلَ ذَلِكَ فَقَامَ أَبُو بَكْرٍ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنْ تَرَى أَنْ تَعْفُوَ عَنْهُمْ وَتَقْبَلَ مِنْهُمْ الْفِدَاءَ قَالَ فَذَهَبَ عَنْ وَجْهِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا كَانَ فِيهِ مِنْ الْغَمِّ قَالَ فَعَفَا عَنْهُمْ وَقَبِلَ مِنْهُمْ الْفِدَاءَ قَالَ وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ لَوْلَا كِتَابٌ مِنْ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ إِلَى آخِرِ الْآيَةِ۔[۳۱]

بدر کے قیدیوں کے بارے میں رسول مقبول ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مشورہ لیا کہ اللہ نے انہیں تمہارے قبضے میں دے دیا ہے بتاؤ کیا ارادہ ہے؟ حضرت عمر بن خطاب نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ ان کی گردنیں اڑا دی جائیں آپ نے ان سے منہ پھیر لیا پھر فرمایا اللہ نے تمہارے بس میں کر دیا ہے یہ کل تک تمہارے بھائی بند ہی تھے۔ پھر حضرت عمر نے کھڑے ہو کر اپنا جواب دوہرایا آپ نے پھر منہ پھیر لیا اور پھر وہی فرمایا اب کی دفعہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہماری رائے میں تو آپ ان کی خطا سے در گزر فرمالیجئے اور انہیں فدیہ لے کر آزاد کیجئے اب آپ کے چہرے سے غم کے آثار جاتے رہے عفو عام کر دیا اور فدیہ لے کر سب کو آزاد کر دیا اس پر اللہ عزوجل نے یہ آیت اتاری۔

بعض دفعہ جواز اور عدم جواز سے قطع نظر حالات و ظروف کے اعتبار سے زیادہ بہتر صورت اختیار کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن جواز کو سامنے رکھتے ہوئے کم تر صورت اختیار کر لی گئی، جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب نازل ہوا۔

حضرت علیؓ سے مروی ہے۔

عَنْ عَلِيٍّ – رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ – قَالَ : قَالَ النَّبِيُّ – صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ – فِي الْأُسَارَى يَوْمَ بَدْرٍ : إِنْ شِئْتُمْ قَتَلْتُمُوهُمْ ، وَإِنْ شِئْتُمْ فَادَيْتُمُوهُمْ ، وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِالْفِدَاءِ ، وَاسْتُشْهِدَ مِنْكُمْ بِعِدَّتِهِمْ . فَكَانَ آخِرَ السَّبْعِينَ ثَابِتُ بْنُ قَيْسٍ اسْتُشْهِدَ بِالْيَمَامَةِ .[۳۲]

ان بدری قیدیوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے صحابیو اگر چاہو تو انہیں قتل کر دو اور اگر چاہو ان سے زر فدیہ وصول کر کے انہیں رہا کر دو لیکن اس صورت میں اتنے ہی آدمی تمہارے شہید کئے جائیں گے۔ پس ان ستر شہیدوں میں سب سے آخر حضرت ثابت بن قیسؓ تھے جو جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔

مشورے میں حضرت عمرؓ وغیرہ نے مشورہ دیا کہ کفر کی قوت و شوکت توڑنے کے لئے ضروری ہے کہ ان قیدیوں کو قتل کر دیا جائے، کیونکہ یہ کفر اور کافروں کے سرغنے ہیں، یہ آزاد ہو کر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف زیادہ سازشیں کریں گے۔ جبکہ حضرت ابو بکر کی رائے اس سے برعکس تھی کہ فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دیا جائے اور اس مال سے آئندہ جنگ کی تیاری کی جائے نبی ﷺ نے بھی اسی رائے کو پسند فرمایا جس پر یہ اور اس کے بعد کی آیات نازل ہوئیں۔ جب کفر کا غلبہ ختم ہو گیا تو قیدیوں کے بارے میں امام وقت کو اختیار دے دیا گیا کہ وہ چاہے تو قتل کر دے، فدیہ لے کر چھوڑ دے یا مسلمان قیدیوں کے ساتھ تبادلہ کر لے اور چاہے تو ان کو غلام بنا لے، حالات کے مطابق کوئی بھی صورت اختیار کرنا جائز ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَلَمَّا أَسَرُوا الْأُسَارَى قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ مَا تَرَوْنَ فِي هَؤُلَاءِ الْأُسَارَى فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ يَا نَبِيَّ اللَّهِ هُمْ بَنُو الْعَمِّ وَالْعَشِيرَةِ أَرَى أَنْ تَأْخُذَ مِنْهُمْ فِدْيَةً فَتَكُونُ لَنَا قُوَّةً عَلَى الْكُفَّارِ فَعَسَى اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُمْ لِلْإِسْلَامِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَرَى يَا ابْنَ الْخَطَّابِ قُلْتُ لَا وَاللَّهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا أَرَى الَّذِي رَأَى أَبُو بَكْرٍ وَلَكِنِّي أَرَى أَنْ تُمَكِّنَّا فَنَضْرِبَ أَعْنَاقَهُمْ۔۔۔[33]

حضرت ابن عباسؓ نے کہا جب قیدیوں کو گرفتار کر لیا تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے فرمایا تم ان قیدیوں کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہو حضرت ابو بکر نے عرض کیا اے اللہ کے نبی ﷺ وہ ہمارے چچازاد اور خاندان کے لوگ ہیں میری رائے یہ ہے کہ آپ ﷺ ان سے فدیہ وصول کر لیں اس سے ہمیں کفار کے خلاف طاقت حاصل ہو جائے گی اور ہو سکتا ہے کہ اللہ انہیں اسلام لانے کی ہدایت عطا فرما دیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابن خطاب آپ کی کیا رائے ہے؟ میں نے عرض کیا نہیں! اللہ کی قسم اے اللہ کے رسول میری وہ رائے نہیں جو حضرت ابو بکر کی رائے ہے بلکہ میری رائے یہ ہے کہ آپ ﷺ انہیں ہمارے سپرد کر دیں تاکہ ہم ان کی گردنیں اڑا دیں۔۔۔ پس رسول اللہ ﷺ حضرت ابو بکرؓ کی رائے کی طرف مائل ہوئے اور میری رائے کی طرف مائل نہ ہوئے جب آئندہ روز میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو رسول اللہ ﷺ اور ابو بکرؓ دونوں بیٹھے ہوئے تھے میں نے عرض کیا

اے اللہ کے رسول مجھے بتائیں تو سہی کس چیز نے آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ کے دوست کو رلا دیا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں اس وجہ سے رو رہا ہوں جو مجھے تمہارے ساتھیوں سے فدیہ لینے کی وجہ سے پیش آیا ہے تحقیق مجھ پر ان کا عذاب پیش کیا گیا جو اس درخت سے بھی زیادہ قریب تھا اللہ کے نبی ﷺ کے قریبی درخت سے بھی اور اللہ رب العزت نے یہ آیت نازل فرمائی (مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ) "یہ بات نبی کی شان کے مناسب نہیں ہے کہ اس کے قبضے میں قیدی رہیں کافروں کو قتل کر کے زمین میں کثرت سے خون نہ بہائے"۔ سے اللہ عزوجل کے قول "پس کھاؤ جو مال غنیمت تمہیں ملا ہے کہ وہ تمہارے لئے حلال طیب ہے۔" پس اللہ نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے لئے غنیمت حلال کر دی۔

جاننا چاہئے کہ عذاب نازل نہیں ہوا بلکہ محض آپ کے سامنے پیش کیا گیا ہے اور فقط آپ کو دکھلایا گیا تھا جیسا کہ مندرجہ بالا روایت میں آیا ہے تاکہ آنحضرت ﷺ قریب سے اس عذاب کو دیکھ لیں اور لوگوں کو بتلا دیں کہ اگر تمہاری اس غلطی پر عذاب نازل ہوتا تو ایسا ہوتا مقصود محض عذاب کا دکھلانا تھا نہ کہ اس کا نازل کرنا اور اتارنا محبین کی تنبیہ کے لیے اتنا ہی کافی تھا۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے۔

أَخْبَرَنَا جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أُعْطِيتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ قَبْلِي نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيرَةَ شَهْرٍ وَجُعِلَتْ لِي الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا فَأَيُّمَا رَجُلٍ مِنْ أُمَّتِي أَدْرَكَتْهُ الصَّلَاةُ فَلْيُصَلِّ وَأُحِلَّتْ لِي الْمَغَانِمُ وَلَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِي وَأُعْطِيتُ الشَّفَاعَةَ وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلَى قَوْمِهِ خَاصَّةً وَبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً۔[۳۴]

حضور ﷺ فرماتے ہیں مجھے پانچ چیزیں دی گئیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں مہینے بھر کے فاصلے تک میری مدد رعب سے کی گئی۔ میرے لیے پوری زمین مسجد پاکی اور نماز کی جگہ بنادی گئی مجھ پر غنیمتیں حلال کی گئیں جو مجھ سے پہلے کسی پر حلال نہ تھیں، مجھے شفاعت عطا فرمائی گئی ہر نبی خاصتہ اپنی قوم کی طرف ہی بھیجا جاتا تھا لیکن میں عام لوگوں کی طرف پیغمبر ﷺ بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

اللہ کے یہاں یہ امر طے شدہ ہے کہ کسی سے نادانستہ عمل پر مواخذہ نہیں کرتا یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر سے مغفرت کا وعدہ فرمایا لیا ہے اور ان سے یہ کہہ دیا ہے اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم۔ کہ اے اہل بدر تم جو چاہے کرو تم جو غلطی کرو گے وہ معاف ہے۔ اس لیے کہ بدر کے میدان میں صحابہؓ نے جو جاں نثاری اور جان بازی دکھلائی تھی اس کے صلہ میں ان کی سب خطائیں معاف ہیں۔ چنانچہ تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے۔

سبق منه ألا يعذب أحدا شهد بدرا . وروي نحوه عن سعد بن أبي وقاص ، وسعيد بن جبير ، وعطاء . وقال شعبة ، عن أبي هاشم عن مجاهد : (لولا كتاب من الله سبق) أي : لهم بالمغفرة ونحوه عن سفيان الثوري ، رحمه الله . وقال علي بن أبي طلحة ، عن ابن عباس في قوله) : لولا كتاب من الله سبق (يعني : في أم الكتاب

الأول أن المغانم والأسارى حلال لكم ، [35]

پہلے سے اللہ طے کر چکا ہے کہ کسی بدری صحابی کو وہ عذاب نہیں کرے گا یہی قول سعد بن ابی وقاصؓ ،سعید بن جبیر اور عطاء کا ہے۔لولا كتاب من الله سبق یعنی ان کے لیے مغفرت کی تحریر ہو چکی ہے اور یہی قول سفیان ثوریؒ کا ہے۔ علی بن طلحہ اور حضرت عباسؓ کا قول ہے۔ ام الکتاب میں تمہارے لیے مال غنیمت کی حلت لکھی جا چکی ہے۔ پس مال غنیمت تمہارے لیے حلال طیب ہے شوق سے کھاؤ پیو اور اپنے کام میں لاؤ۔

جبکہ سورۃ الانفال کی ایک آیت بھی اس پر واضح دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کر لیا ہے کہ رسول کے ہوتے ہوئے کوئی عذاب نازل نہیں کرے گا۔

﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيهِمْ ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ﴾ -[36]

اور اللہ ایسا نہ کرے گا کہ انہیں تیرے ہوتے ہوئے عذاب دے، اور اللہ عذاب کرنے والا نہیں حالانکہ وہ بخشش مانگتے ہوں۔

اس کتاب کے من اللہ یعنی اس نوشتہ خداوندی کے بارے میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ اس سے کیا مراد ہے سو اس سے۔ مولانا مودودیؒ اسی آیت کے ضمن میں رقمطراز ہیں۔

"میرے نزدیک اس مقام کی صحیح تفسیر یہ ہے کہ جنگ بدر سے پہلے سورۃ محمد ﷺ میں جنگ کے متعلق جو ابتدائی ہدایات دی گئی تھیں ان میں یہ اشارہ ہوا تھا کہ فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتَّىٰ إِذَا أَثْخَنتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً حَتَّىٰ تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا۔اس ارشاد میں جنگی قیدیوں سے فدیہ وصول کرنے کی اجازت تو دے دی گئی تھی لیکن اس کے ساتھ شرط یہ لگائی گئی تھی کہ پہلے دشمن کی طاقت کو اچھی طرح کچل دیا جائے پھر قیدی پکڑنے کی فکر کی جائے۔اس فرمان کی رو سے مسلمانوں نے بدر میں جو قیدی گرفتار کیے اور اس کے بعد ان سے جو فدیہ وصول کیا وہ تھا تو اجازت کے مطابق مگر غلطی یہ ہوئی کہ دشمن کی طاقت کو کچل دینے کی جو شرط مقدم رکھی گئی تھی اسے پورا کرنے میں کوتاہی کی گئی۔ جنگ میں جب قریش کی فوج بھاگ نکلی تو مسلمانوں کا ایک بڑا گروہ غنیمت لوٹنے اور کفار کے آدمیوں کو پکڑ پکڑ کر باندھنے میں لگ گیا اور بہت کم آدمیوں نے دشمن کا کچھ دور تک تعاقب کیا حالانکہ اگر مسلمان پوری طاقت سے ان کا تعاقب کرتے تو قریش کی طاقت کا اسی روز خاتمہ ہو گیا ہوتا۔اسی پر اللہ تعالیٰ عتاب فرما رہا ہے۔اور یہ عتاب نبی ﷺ پر نہیں بلکہ مسلمانوں پر ہے"۔[37]

واضح رہے کہ تورات کا قانون ایسے موقع پر یعنی غنیم کے شہر پر قبضہ ہو جائے تو حسب ذیل ہے :

"جب خداوند تیرا خدا اسے تیرے قبضہ میں کر دیوے تو وہاں کے ہر ایک مرد کو تلوار کی دھار سے قتل کر، مگر عورتوں اور لڑکوں اور مواشی کو اور جو کچھ اس شہر میں ہو، اس کا سارا لوٹ اپنے لئے لے،"[38]

چوتھا شبہ

آپ ﷺ نے فدیہ لے کر کفار کو چھوڑ دیا۔

﴿تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾[39]

(تم تو دنیا کے مال چاہتے ہو اور اللہ کا ارادہ آخرت کا ہے اور اللہ زور آور باحکمت ہے۔)

اور اس سے اگلی آیت میں اس فعل کی مذمت کی جاتی ہے۔ اور ﴿لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ۔﴾[40] (اگر پہلے ہی سے اللہ کی طرف سے بات لکھی ہوئی نہ ہوتی، تو جو کچھ تم نے لے لیا ہے اس بارے میں تمہیں کوئی بڑی سزا ہوتی۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ گناہ تھا۔)

اس شبہ کا جواب

اگر یہ عمل غلط اور خطا ہوتا تو اللہ تعالیٰ اسکو ضرور کالعدم قرار دیتے اور قیدیوں کے قتل اور فدیہ کے واپس کرنے کا حکم صادر فرماتے لیکن ایسا ہوا نہیں، درحقیقت بات یہ تھی کہ اگر بدر کے قیدیوں کو قتل کیا جاتا تو کافروں پر مزید ہیبت بڑھ جاتی، اور اسلام کی قوت کا مظاہرہ ہوتا لیکن مسلمانوں نے یہ بات دھیان میں نہ رکھی بلکہ انہوں نے یہ خیال کیا کہ اگر معاوضہ لے کر قیدیوں کو آزاد کر دیا جائے گا تو ہو سکتا ہے کہ ان قیدیوں میں سے کچھ آئندہ مسلمان ہو جائیں اور ساتھ ہی مال بھی مل جائیگا تو مال ملنے سے مسلمانوں کی جہادی قوت بہت ہی مضبوط ہو جائی گی۔ یہ تھا ان حضرات کا اجتہاد اور یہ ان کی اجتہادی غلطی تھی اسی طرف اس آیت میں اشارہ ہے لولا کتٰبٌ مّن اللہ سبق---الایۃ یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے پہلے سے لوح محفوظ میں یہ نہ لکھ دیا ہوتا کہ اجتہادی غلطی کرنے والوں پر عذاب نہیں ہو گا تو عذاب آ جاتا۔ لہٰذا یہ عمل گناہ کے زمرہ میں نہیں آتا کیونکہ اجتہادی غلطی معافی کے زمرہ میں ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾[41]

(پس جو کچھ حلال اور پاکیزہ غنیمت تم نے حاصل کی ہے، خوب کھاؤ پیو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، یقیناً اللہ غفور ورحیم ہے۔)

اس آیت میں غنیمت اور فدیہ کو حلال وطیب کہہ کر کھانے اور استعمال کرنے کا حکم دیا جاتا ہے، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ سے اس فیصلہ میں کسی قسم کی کوئی غلطی سرزد نہیں ہوئی تھی۔ آپ ﷺ اس سلسلہ میں توبہ واستغفار کی طرف بھی متوجہ نہ ہوئے، تو یہ واضح دلیل ہے کہ آپ کا کوئی گناہ نہ تھا۔

یہاں یہ واضح رہے کہ جنگی قیدیوں کو آزاد کرنے پر ناپسندیدگی کا یہ اظہار جنگ بدر کے وقت مذکورہ مصلحت کی بناپر کیا گیا تھا، بعد میں سورۂ محمد میں اللہ تعالی نے واضح فرمایا کہ اب چونکہ کفار کی جنگی طاقت ٹوٹ چکی ہے اس لئے اب نہ صرف فدیہ لے کر بلکہ بغیر فدیہ کے، محض احسان کے طور پر بھی جنگی قیدیوں کو آزاد کیا جاسکتا ہے۔

﴿فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتَّىٰ إِذَا أَثْخَنتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً حَتَّىٰ تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا ۚ ذَٰلِكَ وَلَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَانتَصَرَ مِنْهُمْ وَلَٰكِن لِّيَبْلُوَ بَعْضَكُم بِبَعْضٍ ۗ وَالَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَلَن يُضِلَّ أَعْمَالَهُمْ﴾[۴۲]

توجب کافروں سے تمہاری مڈ بھیڑ ہو تو گردنوں پر وار مارو۔ اور جب ان کو اچھی طرح کچل ڈالو تو اب خوب مضبوط قید وبند سے گرفتار کرو، (پھر اختیار ہے) کہ خواہ احسان رکھ کر چھوڑ دو یا فدیہ، لے کر چھوڑ دو یہی حکم ہے اور، اگر اللہ چاہتا تو (خود) ہی ان سے بدلہ لے لیتا، لیکن اس کا منشا یہ ہے کہ تم میں سے لے لے، جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید کر دیے جاتے ہیں اللہ ان کے اعمال ہر گز ضائع نہ کرے گا۔

رسول اللہ ﷺ نے اس حکم کی تعبیر میں طرح فدیہ لینے کی گنجائش نکالی تھی۔ یہ دراصل قانون کی تشریح و تعبیر کا معاملہ ہے۔ جیسا کہ سورۃ الزمر میں ارشاد ہے:

﴿الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَاهُمُ اللَّهُ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمْ أُولُو الْأَلْبَابِ﴾[۴۳]

جو بات کو کان لگا کر سنتے ہیں۔ پھر جو بہترین بات ہو اس پر عمل کرتے ہیں۔ یہی ہیں جنہیں اللہ تعالی نے ہدایت کی اور یہی عقلمند بھی ہیں۔

یعنی وہ لوگ جو کسی بات کو سن کر پیروی کرتے ہیں اس میں سے بہترین کی اور اس کے اعلیٰ ترین درجہ تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ اس قانون کی تعبیر میں بھی ایسے ہی ہوا۔ چونکہ مذکورہ حکم کے اندر یہ گنجائش یا رعایت موجود تھی اس لیے حضور ﷺ نے اپنی طبیعت کی نرمی کے سبب اس کو اختیار فرمالیا۔ آیت زیر نظر کے اندر سے بھی یہی اشارہ ملتا ہے کہ سورۂ محمد ﷺ میں نازل شدہ حکم میں رعایت کی یہ گنجائش موجود تھی' اسی لیے تو اس حکم کا حوالہ دے کر فرمایا گیا کہ اگر وہ حکم پہلے نازل نہ ہو چکا ہوتا تو جو بھی تم نے فدیہ وغیرہ لیا ہے اس کے باعث تم پر بڑا عذاب آتا۔

مولانا شبیر عثمانی لکھتے ہیں۔

روایات سے حضور ﷺ کی نسبت صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ محض صلہ رحمی اور رحم دلی کی بناء پر آپ کا رجحان اس رائے کی طرف تھا۔ البتہ صحابہ میں بعض صرف مالی فوائد کو پیش نظر رکھ کر اور اکثر حضرات دوسری مصالح دینیہ اور اخلاقی داعیہ کے ساتھ مالی ضروریات کو بھی ملحوظ رکھتے ہوئے یہ رائے پیش کر رہے تھے۔ گویا صحابہ کے مشورہ میں کلاً یا جزءً مالی حیثیت ضرور زیر نظر تھی کسی درجہ میں مالی فوائد کے خیال سے "ابغض فی اللہ" میں

کوتاہی کرنا اور اصل مقصد "جہاد" سے غفلت برتنا اور ستر مسلمانوں کے قتل کیے جانے پر اپنے اختیار سے رضامند ہو جانا صحابہ جیسے مقربین کی شان عالی اور منصب جلیل کے منافی سمجھا گیا۔ اسی لیے ان آیات میں سخت عتاب آمیز لہجہ اختیار کیا گیا ہے۔[44]

تفسیر خازن میں لکھا ہے۔ لو کان حرامافی علم اللہ لَمَنَعَ ھُم مِنْ اخذہٖ مُطْلَقًا۔[45] ''اگر یہ فدیہ اللہ کے علم میں حرام ہوتا تو ضرور ان کو منع کرتا''۔

فدیہ لے کر قیدیوں کو چھوڑ دینے کا یہ فیصلہ اللہ تعالیٰ کے یہاں پسندیدہ فیصلہ نہیں ٹھہرا مگر اس بارے چونکہ مشورہ اور اجتہاد سے کام لیا گیا تھا اور اجتہادی خطا قابل مواخذہ نہیں ہوتی اس لئے اس بناء پر ان کی کوئی گرفت نہیں فرمائی گئی۔

پانچواں شبہ

غزوۂ تبوک کے موقعہ پر بعض منافقین نے آپ ﷺ سے شریک جہاد نہ ہونے کی اجازت طلب کی تو آپ نے انہیں اجازت دے دی، اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿عَفَا اللَّهُ عَنكَ لِمَ أَذِنتَ لَهُمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَتَعْلَمَ الْكَاذِبِينَ﴾[46]

(اللہ تجھے معاف فرمادے، تو نے انہیں کیوں اجازت دے دی؟ بغیر اس کے کہ تیرے سامنے سچے لوگ کھل جائیں اور تو جھوٹے لوگوں کو بھی جان لے۔)

آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے ان منافقوں کو اجازت دے کر غلطی کی تھی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے عفو و درگزر کرنا آپ ﷺ سے گناہ کے صادر ہونے پر دلالت کر رہا ہے۔

اس شبہ کی حقیقت

غزوہ تبوک کیلئے اس سفر کے موقع پر جہاد سے فرار کیلئے منافق لوگ طرح طرح کے بہانے پیش کر کے آپ ﷺ سے پیچھے رہنے، اور اپنے گھروں میں بیٹھے رہنے کیلئے اجازت مانگتے، تو آپ ﷺ س اپنی عظیم الشان کریم النفسی اور چشم پوشی کی بناء پر ایسے لوگوں سے درگزر فرماتے اور ان کو اجازت دے دیتے، سو اس طرح ایسے لوگ آنحضرت ﷺ کی اس بے مثال کریم النفسی اور چشم پوشی سے ناجائز فائدہ اٹھاتے اس لئے اس ارشاد ربانی سے آپ ﷺ کو اس بارے متنبہ فرمایا گیا اور یہ تنبیہ بھی نہایت لطیف اور دلنواز انداز میں فرمائی گئی۔ کہ بات کا آغاز ہی عفو و درگزر کے ذکر سے فرمایا گیا۔ تاکہ اس سے یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ اس خطاب سے مقصود سرزنش اور عتاب نہیں۔ بلکہ اصل مقصود توجہ دلانا ہے، تاکہ منافق لوگ آپ کی کریم النفسی سے آگے ناجائز فائدے نہ اٹھا سکیں، اور ان کی مکاری کا دروازہ بند ہو جائے۔ سورۃ النور میں رخصت کی اجازت خود اللہ تعالیٰ نے مرحمت فرمائی، یعنی ان میں سے کوئی اگر آپ سے اپنے کسی کام اور شغل کی وجہ سے اجازت چاہے تو آپ جسے چاہیں اجازت دے سکتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿فَإِذَا اسْتَأْذَنُوكَ لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ فَأْذَن لِّمَن شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾[47]

پھر جب تجھ سے اپنے کسی کام کے لیے اجازت مانگیں تو ان میں سے جسے تو چاہے اجازت دے اور ان کے لیے اللہ سے بخشش کی دعا کر، اللہ بخشنے والا نہایت رحم والا ہے۔

تفسیر ابن کثیرؒ میں لکھا ہے۔

نزلت هذه الآية في أناس قالوا : استأذنوا رسول الله ، فإن أذن لكم فاقعدوا ، وإن لم يأذن لكم فاقعدوا . ولهذا قال تعالى : (حتى يتبين لك الذين صدقوا) أي : في إبداء الأعذار ، (وتعلم الكاذبين —(وارتابت قلوبهم) أي : شكت في صحة ما جئتهم به ، (فهم في ريبهم يترددون) أي : يتحيرون ، يقدمون رجلا ويؤخرون أخرى ، وليست لهم قدم ثابتة في شيء ، فهم قوم حيارى هلكى ، لا إلى هؤلاء ولا إلى هؤلاء ، ومن يضلل الله فلن تجد له سبيلا .[48]

یہ آیت ان کے بارے میں اتری ہے جن لوگوں نے آپس میں طے کر لیا تھا کہ حضور ﷺ سے اجازت طلبی تو کریں اگر اجازت ہو جائے تو اور اچھا اور اگر اجازت نہ بھی دیں تو بھی ہم اس غزوے میں جائیں گے تو نہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر انہیں اجازت نہ ملتی تو اتنا فائدہ ضرور ہوتا کہ سچے عذر والے اور جھوٹے بہانے بنانے والے کھل جاتے۔ نیک و بد میں ظاہری تمیز ہو جاتی۔ اطاعت گذار تو حاضر ہو جاتے۔ نافرمان باوجود اجازت نہ ملنے کے بھی نہ نکلتے۔ کیونکہ انہوں نے تو طے کر لیا تھا حضور ﷺ ہاں کہیں یا نہ کہیں ہم تو جہاد میں جانے کے نہیں۔ اسی لئے جناب باری نے اس کے بعد کی آیت میں فرمایا کہ یہ ممکن ہی نہیں کہ سچے ایماندار لوگ راہ حق کے جہاد سے رکنے کی اجازت تجھ سے طلب کریں وہ تو جہاد کو موجب قربت الہیہ مان کر اپنی جان و املاک کے فدا کرنے کے آرزو مند رہتے ہیں اللہ بھی اس متقی جماعت سے بخوبی آگاہ ہے۔ بلا عذر شرعی بہانے بنا کر جہاد سے رک جانے کی اجازت طلب کرنے والے تو بے ایمان لوگ ہیں جنہیں دار آخرت کی جزا کی کوئی امید ہی نہیں ان کے دل آج تک تیری شریعت کے بارے میں شک شبہ میں ہی ہیں یہ حیران و پریشان ہیں ایک قدم ان کا آگے بڑھتا ہے تو دوسرا پیچھے ہٹتا ہے انہیں ثابت قدمی اور استقلال نہیں یہ ہلاک ہونے والے ہیں یہ نہ ادھر کے ہیں نہ ادھر کے یہ اللہ کے گمراہ کئے ہوئے ہیں تو ان کے سنوارنے کا کوئی رستہ نہ پائے گا۔

چنانچہ یہ کلمات کسی گناہ کی معافی کا ذکر کرنے کے لیے نہیں بلکہ اظہار تعظیم و تکریم کے لیے ہیں۔ اہل عرب کا یہ دستور تھا کہ جب کسی کی عزت و توقیر کا اظہار مقصود ہوتا تو اس کے ساتھ گفتگو کا آغاز ایسے ہی کلمات سے کیا کرتے تھے۔

امام رازیؒ اس آیت کے ذیل میں اسی بات کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

إِنَّ ذَلِكَ يَدُلُّ عَلَى مُبَالَغَةِ اللَّهِ فِي تَعْظِيمِهِ وَتَوْقِيرِهِ۔[49]

یعنی ان کلمات سے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی تعظیم و توقیر میں بڑے مبالغہ کا اظہار فرمایا ہے۔

سو اس بناء پر آپ ﷺ کو یہ ہدایت فرمائی گئی کہ آپ ﷺ ان لوگوں کو اس وقت تک پیچھے رہنے کی اجازت نہ دیں جب تک کہ آپ کے سامنے یہ بات واضح نہ ہو جائے کہ ان میں سے سچے کون ہیں، اور جھوٹے کون، کون صحیح اعذار والے ہیں، اور کون دھوکہ دہی سے کام لینا چاہتے ہیں۔

علامہ قرطبیؒ نے قشیریؒ کا قول نقل کرتے ہوئے لکھا ہے۔

وَهَذَا عِتَابُ تَلَطُّفٍ إِذْ قَالَ:" عَفَا اللَّهُ عَنْكَ". وَكَانَ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَذِنَ مِنْ غَيْرِ وَحْيٍ نَزَلَ فِيهِ.[50]

یہ پر لطف خطاب ہے۔ کہ اللہ آپ کو معاف کرے، کیونکہ آپ ﷺ نے وحی کے نزول کے بغیر اجازت مرحمت فرمادی تھی۔

دراصل تنبیہ تو یہ کرنی تھی کہ آپ ﷺ نے منافقین کو جہاد سے الگ رہنے کی اجازت کیوں دی؟ لیکن یہ محبت بھرا انداز ملاحظہ فرمایئے کہ تنبیہ کرنے سے پہلے ہی معافی کا اعلان فرمادیا۔ کیونکہ اگر پہلے تنبیہ کی جاتی اور معافی کا اعلان بعد میں آتا تو اس درمیانی وقت میں آپ پر نہ جانے کیا کیفیت گذر جاتی۔ بہر حال! مطلب یہ ہے کہ ان منافقین کو جہاد میں جانا تو تھا ہی نہیں۔ اور جیسا کہ آگے آیت فرمایا گیا ہے،

﴿لَوْ خَرَجُوا فِيكُم مَّا زَادُوكُمْ إِلَّا خَبَالًا وَلَأَوْضَعُوا خِلَالَكُمْ يَبْغُونَكُمُ الْفِتْنَةَ وَفِيكُمْ سَمَّاعُونَ لَهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ﴾[51]

(اگر وہ تمہارے اندر شامل ہو کر نکلتے بھی تو تمہارے اندر خرابی کے سوا اور کسی چیز کا اضافہ نہ کرتے، اور وہ ضرور دوڑ دھوپ کرتے تمہارے درمیان فتنہ پردازی کی، اور اب تمہارے درمیان ان کے لئے سننے والے موجود ہیں، اور اللہ خوب جانتا ہے ایسے ظالموں کو۔)

اللہ تعالیٰ بھی نہیں چاہتا تھا کہ یہ لشکر میں شامل ہو کر فساد مچائیں، لیکن اگر آپ انہیں جہاد سے الگ رہنے کی اجازت نہ دیتے تو یہ بات کھل کر سامنے آجاتی کہ یہ نافرمان لوگ ہیں۔ بحالت موجودہ جبکہ یہ لوگ اجازت لے چکے ہیں۔ ایک طرف تو یہ مسلمانوں سے کہیں گے کہ ہم تو باقاعدہ اجازت لے کر مدینہ منورہ میں رہے، اور دوسری طرف اپنے لوگوں سے شیخی بگھاریں گے کہ دیکھوں ہم نے مسلمانوں کو کیسا دھوکا دیا۔

قاضی عیاض نے شفاء میں لکھا ہے:

اس جگہ عفو کے معنی مغفرت نہیں ہیں بلکہ درگذر کرنے اور لازم نہ کرنے کے ہیں گناہ معاف کر دینے کا قائل اس آیت میں وہی ہو سکتا ہے جو عربی کلام سے ناواقف ہو۔ آیت میں مراد تو یہ ہے کہ اللہ نے تمہارے لئے اس فعل کو گناہ نہیں قرار دیا اور بات بھی یہی تھی۔ اللہ کی طرف سے عذر کو قبول کرنے کی کوئی ممانعت بھی نہیں آئی تھی کہ اس کے خلاف کرنے کو گناہ قرار دیا جائے' نہ اللہ نے اس کو گناہ قرار دیا بلکہ اہل علم نے تو اس کو عتاب بھی نہیں کہا۔ جس شخص نے اس کو گناہ یا عتاب کہا ہے' اس نے غلطی کی۔ نفطویہ نے کہا: رسول اللہ ﷺ کو عذر قبول کرنے نہ کرنے میں سے ہر بات کا اللہ کی طرف سے اختیار تھا' اللہ نے آپ کو مخالفت اور گناہ سے محفوظ رکھا۔ لِمَ اَذِنْتَ لَھُمْ سے یہ مراد ہے کہ آپ نے توقف کیوں نہیں کیا' جب انہوں نے جہاد پر نہ جانے کی آپ سے اجازت طلب کی تو آپ نے فوراً اجازت کیوں دے دی۔[52]

سید امیر علی ملیح آبادیؒ فرماتے ہیں:

آنحضور ﷺ نے ایک جماعت کو یہ اجازت دے دی تھی کہ سفر تبوک میں ساتھ ہونے سے بچھڑے رہے۔ پس یہ کلام نازل ہوا اور اس میں عفو کو مقدم کر دیا تاکہ آنحضور ﷺ کا دل مطمئن رہے..... مطلب یہ بنا "اللہ تجھے عفو کرے، یہ بات تجھے نہ چاہیے تھی کہ تو نے مخالفین کو اجازت دے دی قبل اس کے کہ تجھ پر مومن و منافق ظاہر ہوں۔ مفسر نے یہی قول اختیار کیا کہ آیت میں آنحضور ﷺ کو عتاب ہے۔ عون سے روایت ہے کہ اپنے شاگردوں سے کہتے تھے کہ بھلا تم نے اس سے بہتر کوئی معاتیب دیکھی کہ عفو کرنے کو پہلے ہی فرما دیا، پھر عتاب کیا..... خطیب نے ذکر کیا کہ مفسرین نے اختلاف کیا کہ اس میں آنحضور ﷺ کو عتاب ہے یا نہیں۔ پس عمرو بن میمون نے کہا کہ دو باتیں آنحضرت ﷺ نے بلا اجازت کہیں ایک تو اہلِ بدر کا فدیہ لینا اور دوم منافقوں کو تخلف کرنے کی اجازت دینا، پس اللہ تعالی نے عتاب فرمایا"۔ سفیان بن عینیہؒ نے کہا: "اس لطف کو دیکھ کر اللہ تعالی نے عتاب سے پہلے عفو کو بیان فرما دیا پس عتاب مشمول لطف ہے"۔[53]

مفتی محمد شفیعؒ رقمطراز ہیں۔

رسول کریم ﷺ کے منصب و مقام اور آپ کے تعلق مع اللہ پر نظر رکھنے والے حضرات نے فرمایا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو جو غایت تعلق حضرت حق جل شانہ کے ساتھ تھا اس کے پیش نظر آپ کا قلب مبارک اس کا تحمل ہی نہ کر سکتا تھا کہ حق تعالی کی طرف سے کسی معاملہ میں آپ سے جواب طلب کیا جائے، اگر شروع میں لِمَ اَذِنْتَ لَھُمْ کے الفاظ ذکر فرما دیئے جاتے جن میں صورۃ جواب طلبی کا عنوان ہے تو آنحضرت

ﷺ کا قلب مبارک اس کا تحمل نہ کر سکتا، اس لئے اس سے پہلے عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ فرما کر ایک طرف تو اس پر مطلع کر دیا کہ کوئی ایسا کام ہو گیا ہے جو اللہ کے نزدیک پسندیدہ نہ تھا، دوسری طرف اس کی معافی کی اطلاع پہلے دے دیتا کہ اگلا کلام قلب مبارک پر زیادہ شاق نہ ہو۔ اور لفظ معافی سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ معافی تو جرم و گناہ کی ہوا کرتی ہے، اور رسول اللہ ﷺ گناہ سے معصوم ہیں تو پھر معافی کے یہاں کیا معنی ہو سکتے ہیں وجہ یہ ہے کہ معافی جیسے گناہ کی ہوتی ہے ایسی ہی خلاف اولی اور ناپسندیدہ چیز کے لئے بھی معافی کا استعمال کیا جا سکتا ہے، اور وہ عصمت کے منافی نہیں۔[54]

اللہ تعالیٰ نے یہاں ان لوگوں کو اجازت دینے پر ناراضی کا اظہار فرمایا جنھوں نے آپ سے اجازت مانگی اور انھیں اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہ رکھنے والے بتایا جو جہاد میں نکلنا ہی نہیں چاہتے تھے۔ اور سورۂ نور میں فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ[55] (بے شک جو لوگ تجھ سے اجازت مانگتے ہیں وہی لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں۔)

وہاں مراد یہ ہے کہ منافقین اجتماعی کام مثلاً جہاد وغیرہ میں آئے ہوئے ہوں تو بغیر پوچھے کھسک جاتے ہیں، اجازت مانگتے ہی نہیں، جب کہ اہل ایمان ضرورت کے وقت بھی آپ سے پوچھے بغیر نہیں جاتے۔

پیر کرم شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

> منافقین بارگاہ رسالت میں حاضر ہوتے اور جہاد میں شرکت نہ کرنے کے لیے عذر بیان کرتے۔ حضور ﷺ اپنی کریم النفسی کے باعث انہیں پیچھے رہنے کی اجازت فرما دیتے حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ اگر انہیں رخصت نہ دی جاتی تو بھی وہ اس مہم میں شرکت سے انکار کر دیتے۔ بہتر یہی تھا کہ ان کی معذرتوں کو ٹھکرا دیا جاتا تاکہ جب وہ پیچھے رہ جاتے تو ان کے نفاق کا حال سب کو معلوم ہو جاتا۔ یہ دریافت کرنے سے پیشتر کہ اے محبوب! تو نے انہیں پیچھے رہنے کی اجازت کیوں دی یعنی ان کو ننگا کیوں نہ ہونے دیا۔ اتنا فرمانے سے پہلے عفا اللہ عنك کے الفاظ ارشاد فرمائے۔ یہاں یہ کلمات کسی گناہ کی معافی کا ذکر کرنے کے لیے نہیں بلکہ اظہار تعظیم و تکریم کے لیے ہیں۔ اہل عرب کا یہ دستور تھا کہ جب کسی کی عزت و توقیر کا اظہار مقصود ہوتا تو اس کے ساتھ گفتگو کا آغاز ایسے ہی کلمات سے کیا کرتے۔[56]

مولانا عبدالماجد دریاآبادیؒ لکھتے ہیں۔

> ذکر ان منافقین کا ہے، جو رسول اللہ ﷺ سے اجازت لے کر وطن میں رہ گئے تھے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کی اجازت ملنے پر ان لوگوں کو جو گونہ بے فکری ہو گئی، یہ نہ ہوتی، بلکہ اگر آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے بغیر اجازت یہ رہ جاتے تو ان کی خباثت اور زیادہ کھل کر رہتی (آیت) "الذین صدقوا"۔

سے مراد مومنین صادقین ہیں جن کے پاس واقعی کوئی عذر تھا۔(آیت)"لم اذنت لھم"۔اجازت سے مراد ہے جنگ میں شریک نہ ہونے اور وطن میں رہ جانے کی اجازت۔ یہ اجازت دے دینا کوئی معصیت نہ تھی، البتہ حالات وقت کے لحاظ سے اجازت نہ دینا بہتر تھا۔[57]

چھٹا شبہ اور اس کا جواب

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿لَّقَد تَّابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِن بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبُ فَرِيقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ۚ إِنَّهُ بِهِمْ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾[58]

اللہ تعالیٰ نے پیغمبر کے حال پر توجہ فرمائی اور مہاجرین اور انصار کے حال پر بھی جنہوں نے ایسی تنگی کے وقت پیغمبر کا ساتھ دیا اس کے بعد ان میں سے ایک گروہ کے دلوں میں کچھ تزلزل ہو چلا تھا پھر اللہ نے ان کے حال پر توجہ فرمائی۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان سب پر بہت ہی شفیق مہربان ہے۔

یہاں توبہ کا لفظ استعمال ہوا ہے توبہ تو گناہ و معصیت کی وجہ سے ہوتی ہے آپ ﷺ معصیت سے معصوم ہیں پھر ان کی توبہ کا کیا مطلب؟ اور حضرات صحابہ بھی ایسی مشقت والے سفر میں آپ ﷺ کے ساتھ جہاد کیلئے نکل پڑے تو ان کا کون سا قصور جرم تھا، جس کی انہوں نے توبہ کی۔

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ تاب یتوب کا اصل معنی رجوع کرنے کا ہے بندہ اللہ کی طرف گناہ کے بعد رجوع کرتا ہے اس لیے اسے تائب اور تواب کہتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربانی کے ساتھ متوجہ ہوتا ہے۔ مہربانی فرماتا ہے اسی لیے لفظ تواب اللہ تعالیٰ کی صفات میں بھی آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل فرمانا، توبہ کی توفیق دینا۔ توبہ کو قبول فرمانا۔ معاملہ میں آسانی فرما دینا، تاب اللہ علیہ اس سب کو شامل ہے۔

صاحب قاموس لکھتے ہیں۔

وَتَابَ اللَّهُ عَلَيْهِ : وَفَّقَهُ لِلتَّوْبَةِ ، أَوْ رَجَعَ بِهِ مِنَ التَّشْدِيدِ إِلَى التَّخْفِيفِ ، أَوْ رَجَعَ عَلَيْهِ بِفَضْلِهِ وَقَبُولِهِ ، وَهُوَ تَوَّابٌ عَلَى عِبَادِهِ۔[59]

تاب اللہُ عَلَیْہ کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے اسے توبہ کی توفیق دی اور اس سے سختی کو ہٹا کر آسانی کر دی یا اپنے فضل و قبولیت کے ساتھ اس پر توجہ فرمائی اور وہ اپنے بندوں کے لیے تواب ہے۔

لفظ تابَ کا جو ترجمہ اوپر کیا گیا ہے اس میں اس مفہوم کو سامنے رکھا گیا ہے۔ لہٰذا اب یہ اشکال نہ رہا کہ رسول اللہ ﷺ سے اور ان مہاجرین و انصار سے کون سا گناہ ہوا تھا جنہوں نے غزوہ تبوک میں شرکت کی اور گناہ کی وجہ سے توبہ کی اور وہ توبہ قبول ہوئی، تَابَ کے مفہوم میں فضل فرمانا۔ معاملہ میں آسانی دینا، توبہ کی توفیق فرمانا یہ سب کچھ آتا ہے۔ یہ کوئی گناہ نہ تھا، نہ آپ ﷺ کا اور نہ آپ کے ساتھیوں حضرات صحابہ کرام کا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے

ان کو اس مشقت والے سفر جنگ تبوک میں بے سر و سامانی کی حالت میں نکلنے کی توفیق دے کر نافرمانی اور گناہ سے بچا دیا۔ اسی کو توبہ کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان پر مہربانی کی، رحم کیا یا یہ کہ ان سب حضرات کو اللہ تعالیٰ نے تواب بنا دیا، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ توبہ کی حاجت و ضرورت سے کوئی بھی شخص مستغنی نہیں ہے، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ اور ان کے اصحاب بھی چنانچہ سورۃ النور میں ارشاد ہے۔

﴿وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾[۶۰]

(اور اے مسلمانو! تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو تاکہ تم نجات پاؤ۔)

آپ ﷺ ایک مجلس میں ستر سے زیادہ مرتبہ استغفار پڑھ کر اٹھتے تھے، حالانکہ آپ کا کوئی گناہ نہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ استغفار و توبہ بلندی مراتب و تقرب الٰہی کا ذریعہ ہے اور یہی بندگی کی شان ہے۔

تفسیر قرطبیؒ میں اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے۔

فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: كَانَتِ التَّوْبَةُ عَلَى النَّبِيِّ لِأَجْلِ إِذْنِهِ لِلْمُنَافِقِينَ فِي الْقُعُودِ دَلِيلُهُ قَوْلُهُ:" عَفَا اللَّهُ عَنْكَ لِمَ أَذِنْتَ لَهُمْ" [التوبة: ۴۳] وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ مِنْ مَيْلِ قُلُوبِ بَعْضِهِمْ إِلَى التخلف عنه۔[۶۱]

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کے مطابق یہاں توبہ کا لفظ آپ ﷺ کے حق میں جو استعمال ہوا وہ جہاد میں شرکت نہ کرنے والے منافقین کو آپ ﷺ کی اجازت کی وجہ سے تھا۔ ''اللہ تجھے معاف فرمادے، تو نے انہیں کیوں اجازت دے دی؟ "اور مومنین کے حق میں یہ توبہ کچھ اہل ایمان کے ابتدا میں وسوسوں سے متعلق ہے۔

اس آیت میں منافقین کی مذمت اور سستی سے رہ جانے والے مسلمانوں کی معافی کا ذکر کرنے کے بعد مسلمانوں کی اس اکثریت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے شاباش دی جارہی ہے جنہوں نے انتہائی کٹھن حالات میں خندہ پیشانی کے ساتھ تبوک کی مہم میں حصہ لیا۔ ان میں بھی اکثریت تو انہی کی تھی جن کے دل میں جہاد اور تعمیل حکم کا جذبہ اتنا مضبوط تھا کہ وہ ان مشکل حالات کو خاطر میں نہیں لائے۔ البتہ کچھ حضرات ایسے بھی تھے کہ شروع میں ان مشکلات کی وجہ سے ان کے دل میں وسوسے آئے۔ لیکن آخر کار انہوں نے دل و جان سے مہم میں حصہ لیا۔

غزوہ تبوک کے موقع پر اہل ایمان سے جو قصور سرزد ہوئے تھے ان پر پچھلی آیات میں سخت گرفت کی گئی ہے۔ لیکن جب ان میں اپنی غلطی کا احساس پیدا ہو گیا اور انہوں نے معافی مانگ لی تو انہیں قبولیت توبہ کی بشارت سنائی گئی اور اس بشارت کا دائرہ اتنا وسیع ہوا کہ جو قصور بھی اس سے پہلے سرزد ہوئے تھے ان سب کے لیے معافی کا اعلان ہو گیا۔ یہ گویا باران رحمت تھی جس نے گرم فضا کو خوش گوار بنا دیا۔

نبی ﷺ سے غزوہ تبوک کے موقع پر جو بھول ہوئی تھی کہ جن لوگوں نے استطاعت کے باوجود جنگ میں شریک نہ ہوتے کی اجازت طلب کی تھی آپ نے ان کو محض نرم دلی اور اپنے کریمانہ اخلاق کی بنا پر اجازت دے

دی تھی اور جب اللہ تعالیٰ نے مہاجرین وانصار پر نظر رحمت فرمائی تو سب سے پہلے وہ اپنی رحمت کے ساتھ اپنے نبی کی طرف متوجہ ہوا۔

تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے۔

قَالَ مُجَاهِدٌ وَغَيْرُ وَاحِدٍ: نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ، وَذَلِكَ أَنَّهُمْ خَرَجُوا إِلَيْهَا فِي شِدَّةٍ مِنَ الْأَمْرِ فِي سَنَةٍ مُجْدِبَةٍ وَحَرٍّ شَدِيدٍ وَعُسْرٍ مِنَ الزَّادِ وَالْمَاءِ، قَالَ قَتَادَةُ: خَرَجُوا إِلَى الشَّامِ عَامَ تَبُوكَ فِي لَهَبَانِ الْحَرِّ عَلَى مَا يَعْلَمُ اللَّهُ مِنَ الْجُهْدِ، أَصَابَهُمْ فِيهَا جَهْدٌ شَدِيدٌ حَتَّى لَقَدْ ذُكِرَ لَنَا أَنَّ الرَّجُلَيْنِ كَانَا يَشُقَّانِ التَّمْرَةَ بَيْنَهُمَا، وَكَانَ النَّفَرُ يَتَدَاوَلُونَ التَّمْرَةَ بَيْنَهُمْ يَمُصُّهَا هَذَا ثُمَّ يَشْرَبُ عَلَيْهَا ثُمَّ يَمُصُّهَا هَذَا ثُمَّ يَشْرَبُ عَلَيْهَا، فَتَابَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَأَقْفَلَهُمْ مِنْ غَزْوَتِهِمْ. [62]

مجاہد وغیرہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت جنگ تبوک کے بارے میں اتری ہے اس جنگ میں جانے کے وقت سال بھی قحط کا تھا، گرمیوں کا موسم تھا، کھانے پینے کی کمی تھی، راستوں میں پانی نہ تھا۔ شام کے ملک تک کا دور دراز کا سفر تھا۔ سامان رسد کی اتنی کمی کہ دو دو آدمیوں میں ایک ایک کھجور بٹتی تھی۔ پھر تو یہ ہو گیا تھا کہ ایک کھجور ایک جماعت کو ملتی یہ چوس کر اسے دیتا وہ اور کو اور ایک ایک چوس کر پانی پی لیتا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت ان پر لازم کر دی اور انہیں واپس لایا۔

تفسیر طبرّی میں لکھا ہے۔

الْقَوْل فِي تَأْوِيل قَوْله تَعَالَى : يَقُول تَعَالَى ذِكْره : لَقَدْ رَزَقَ اللَّه الْإِنَابَة إِلَى أَمْره وَطَاعَته نَبِيّه مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ , وَالْمُهَاجِرِينَ دِيَارهمْ وَعَشِيرَتهمْ إِلَى دَار الْإِسْلَام , وَأَنْصَار رَسُوله فِي اللَّه , الَّذِينَ اِتَّبَعُوا رَسُول اللَّه فِي سَاعَة الْعُسْرَة مِنْهُمْ مِنْ النَّفَقَة وَالظُّهْر وَالزَّاد وَالْمَاء۔[63]

اس کی توجیہ یہ ہے کہ صحابہ کرام مہاجرین وانصار نے اس جنگ میں شدت کی گرمی میں راستہ کی تکلیف اور عدم خوراک و قلت پانی و قلت سواری کی طرح طرح کی تکالیف برداشت کیں، ایسی حالت میں انسان کا مقتضیٰ طبعی ہے کہ اس کے دل میں کچھ وساوس فاسدہ گذریں جیسا کہ آیت میں ایسا اشارہ بھی ہے۔ مِن بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْ هُمْ۔[64] کہ قریب تھا کہ اس شدت کے وقت میں بعض مومنین کے دل پھر جاویں یعنی پیچھے رہ جانے یا واپسی کا قصد کریں، یہاں جو قلوب کا زیغ بیان کیا گیا ہے اس سے مراد دین سے انحراف نہیں ہے بلکہ موسم کی گرمی اور اسباب کی قلت اور لمبے سفر کی مشقت کی وجہ سے ہمت ہار دینا مراد ہے، اس قسم کے وساوس جو حضرات صحابہ کرام کے دل میں آئے ان کو گناہ تصور کر کے توبہ واستغفار کرنے لگے، یہ خیالات اگرچہ گناہ نہیں لیکن پیغمبر کے صحبت یافتہ مقربین صحابہ کرام برداشت نہ کر سکے۔ رہی یہ بات کہ آپ ﷺ کا دل تو اس وسوسہ سے پاک صاف تھا تو ان کی توبہ کا کیا مطلب؟ تو اس

سلسلہ میں علماء فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کا ذکر تبرکاً ہے صحابہ کرام کا دل خوش کرنے کیلئے، اس طرف اشارہ کیا گیا جو خصوصی عنایات آپ ﷺ پر متوجہ ہوں گی، ان سے تم لوگ بھی محروم نہیں رہو گے۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے:

حضرت عمرؓ سے کسی نے پوچھا کہ سختی کی وہ کیا گھڑی تھی جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے؟ اس پر انہوں نے جواب دیا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تبوک کی طرف روانہ ہوئے سخت گرمی کا زمانہ تھا ایک منزل پر اترے تو ہمیں سخت پیاس لگی۔ پیاس کی شدت کا یہ عالم تھا کہ ہم یہ سمجھتے تھے کہ ہماری گردنیں ابھی کٹ کر گر پڑیں گی۔ اگر کوئی شخص قضائے حاجت کے لیے بھی جاتا تھا تو واپس آنے میں پیاس کی شدت کی وجہ سے یہ سمجھ لیتا تھا کہ میری گردن کٹ کر گر جانے والی ہے۔ پیاس کی شدت کی وجہ سے بعض اشخاص نے یہاں تک کیا کہ اونٹ کو ذبح کر کے اس کی اوجھری کو نچوڑ کر پیا اور ترائی حاصل کرنے کے لیے اسے اپنے پیٹ پر رکھا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو دعا کرنے کا عمل عطا فرمایا ہے آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے۔ آپ نے مبارک ہاتھ اٹھائے اور دعاء کی۔ ابھی آپ نے ہاتھ نیچے نہیں کیے تھے کہ بارش ہونی شروع ہو گئی اور خوب بارش ہوئی۔ جس سے حاضرین نے اپنے سارے برتن بھر لیے۔ پھر ہم نے آگے بڑھ کر دیکھا کہ بارش کہاں تک ہے تو معلوم ہوا کہ وہ لشکر کے حدود سے آگے نہیں بڑھی۔[65]

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں۔

خدا کی مہربانیاں پیغمبر ﷺ پر بیشمار ہیں۔ اور آپ کی برکت سے مہاجرین و انصار پر بھی حق تعالیٰ کی مخصوص توجہ اور مہربانی رہی ہے کہ ان کو ایمان و عرفان سے مشرف فرمایا۔ اتباع نبوی، جہاد فی سبیل اللہ اور عزائم امور کے سرانجام دینے کی ہمت و توفیق بخشی۔ پھر ایسے مشکل وقت میں جبکہ بعض مومنین کے قلوب بھی مشکلات اور صعوبتوں کا ہجوم دیکھ کر ڈگمگانے لگے تھے اور قریب تھا کہ رفاقت نبوی ﷺ سے پیچھے ہٹ جائیں۔ حق تعالیٰ نے دوبارہ مہربانی اور دستگیری فرمائی کہ ان کو اس قسم کے خطرات و وساوس پر عمل کرنے سے محفوظ رکھا اور مومنین کی ہمتوں کو مضبوط اور ارادوں کو بلند کیا۔[66]

ساتواں شبہ اور اس کا جواب

ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا . لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا﴾[67]

(یقیناہم نے آپ کو شاندار فتح عطا فرمائی ہے تاکہ دور فرمادے آپ کے لیے اللہ تعالیٰ جو الزام آپ پر ہجرت سے پہلے لگائے گئے اور جو ہجرت کے بعد لگائے گئے اور مکمل فرمادے اپنے انعام کو آپ پر اور چلائے آپ کو سیدھی راہ پر اور تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کی ایسی مدد فرمائے جو زبردست ہے)

پیر کرم شاہؒ آیت مبارکہ کی تفسیر کے سلسلہ میں کہتے ہیں:

''اگرچہ بعض روایات میں اس فتح مبین سے مراد فتح مکہ بیان کی گئی ہے اور بعض حضرات نے اس سے فتح خیبر مراد لی ہے لیکن صحیح قول یہ ہے کہ اس فتح مبین سے مراد صلح حدیبیہ ہے''۔ بظاہر اس آیت کا مفہوم یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم اکے اگلے پچھلے گناہ معاف فرمادیے ہیں۔ عفو غفران کا مژدہ بجا، لیکن اس سے تو یہ ثابت ہو گیا کہ آنحضور اسے گناہوں کا صدور پہلے بھی ہوتا رہا اور بعد میں بھی ہوتا رہے گا (العیاذ باللہ) حالانکہ اس عقیدہ پر اُمت کا اجماع ہے کہ ہر نبی خصوصاً نبی الانبیاء، سید المرسلین ﷺ معصوم ہیں، حضور اکے دامن عصمت پر گناہ کا کوئی داغ نہیں۔[68]

قاضی ثناءاللہ نے اس آیت کے ذیل میں عطاء خراسانی کا قول نقل کیا ہے۔

ماتقدم سے مراد ہیں: حضرت آدم اور حضرت حواء کی غلطیاں اور ماتاخر سے مراد ہیں امت کے گناہ ،یعنی آپ کی برکت سے اللہ آدم وحواء کی غلطیاں اور آپ کی دعاء سے آپ کی امت کے گناہ معاف کردے۔[69]

جلال الدین سیوطیؒ لکھتے ہیں۔

بلغنا في قول الله ليغفر لك الله ما تقدم من ذنبك وما تأخر قال : "ما تقدم" ما كان في الجاهلية "وما تأخر" : ما كان في الإسلام ما لم يفعله بعد . [70]

کہ (آیت) ''لیغفرلک اللہ ماتقدم ''سے مراد ہے تاکہ اللہ تعالیٰ وہ الزام دور فرمادیں جو آپ پر زمانہ جاہلیت میں لگائے گئے (آیت) ''وما تاخر ''اور جو زمانہ اسلام میں لگائے گئے۔

اس خوشخبری کے بعد بھی نبی ﷺ کے عبادت میں انہماک کا عالم یہ تھا کہ آپ کے پاؤں قیام لیل سے متورم ہو جاتے۔ جب صحابہ نے آپ سے پوچھا کیا آپ کے اگلے پچھلے قصور معاف نہیں کر دئے گئے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا، کیا میں شکر گزار بندہ نہ بن جاؤں؟"

چنانچہ بخاری میں یہ روایت مذکور ہے، کہ مغیرہ بن شعبہؓ سے مروی ہے۔

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي حَتَّى تَرِمَ أَوْ تَنْتَفِخَ قَدَمَاهُ فَيُقَالُ لَهُ فَيَقُولُ أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا۔[71]

نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نماز پڑھاتے تھے یہاں تک کہ آپ کے قدم مبارک سوج جاتے یا پھول جاتے، اس کے متعلق آپ سے کہا جاتا کہ آپ اس قدر تکلیف کیوں اٹھاتے ہو آپ فرماتے کہ میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔

پیر کرم شاہ صاحبؒ نے اسی آیت کے ذیل میں مفسرین کے کچھ اقوال نقل کئے ہیں:

یہاں گناہ سے مراد گناہ صغیرہ ہے۔ یہاں گناہ سے مراد خلافِ اولیٰ ہے اور "حسنات الابرار سیئات المقربین" کے قاعدے کے مطابق خلافِ اولیٰ کو گناہ کہا گیا ہے۔ وہ فعل اگرچہ نہ گناہ صغیرہ ہے نہ خلافِ اولیٰ لیکن حضور ﷺ کی نگاہ عالی میں وہ نہیں جچتا اس لیے حضور ﷺ کے مقامِ رفیع کے باعث اسے ذنب کہہ دیا گیا ہے۔ بعض علماء نے غفر کا معنی بچالینا اور محفوظ کر لینا کیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر قسم کے گناہوں سے محفوظ اور معصوم رکھا ہے۔ اس حفاظت ربانی کے باعث نہ پہلے آپ سے کوئی گناہ سرزد ہوا اور نہ آئندہ کبھی کوئی گناہ سرزد ہوگا۔ بعض علماء نے توجیہہ یہ کی ہے کہ آیت کا مقصد یہ ہے کہ مغفرت عامہ کی بشارت دے کر حضور اکے قلب مبارک کو مطمئن کر دیا جائے۔ یعنی پہلے تو آپ سے کوئی غلطی سرزد ہی نہیں ہوئی بالفرض اگر کوئی سہواً سرزد ہو گئی ہو تو بھی اس سے عفو و درگزر کا مژدہ سنایا جاتا ہے تاکہ کسی قسم کی خلش یا مواخذے کا اندیشہ نہ رہے۔ ذنب کے لفظ پر اگر غور کیا جائے تو یہ مشکل آسان ہو جائے گی۔ ذنب کا معنی عام طور پر گناہ کیا جاتا ہے۔ گناہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کی نافرمانی کو، مگر اہلِ لغت ذنب کو الزام کے معنی میں بھی استعمال کرتے رہتے ہیں۔ قرآن کریم میں یہاں "ذنب" کا لفظ الزام کے معنی کے طور پر استعمال ہوا ہے۔[۷۲]

انبیاء کرام کے لیے ذنب کا لفظ بھول چوک اور عصیاں کے لیے استعمال ہوتا ہے نہ کہ گناہ کے لیے اور ضلال کا مطلب بھول چوک کے بھی ہیں اور گمراہ کے بھی۔ مگر انبیاء کے لیے بھول چوک کے لیے استعمال ہوا ہے۔ انبیاء کرام کی عصمت کے ضمن میں ان کی چھوٹی چھوٹی لغزشوں کو بیان کر دیا گیا ہے جن پر ان کے لیے اللہ کی طرف سے تنبیہ ہوئی ہے۔ کچھ انبیاء کرام کے بارے میں مفسرین نے یہ کہا ہے کہ یہ نبوت سے پہلے کی ان کی لغزش تھی جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ مگر ہم ان کو بھی گناہ میں شمار نہیں کر سکتے۔ نبوت کی سابقہ اور لاحقہ زندگیوں میں عظیم الشان فرق ہے۔ غرض یہ کہ نبوت سے پہلے کا زمانہ ان کی ضلالت اور بعد کا زمانہ ان کی ہدایت کا کہلاتا ہے مگر اس سے عصمتِ انبیاء پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

اللہ تعالیٰ نے خود فرق کو واضح فرمایا ہے:

﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ هَٰذَا الْقُرْآنَ وَإِن كُنتَ مِن قَبْلِهِ لَمِنَ الْغَافِلِينَ﴾[۷۳]

(ہم آپ کو بہترین قصہ سناتے ہیں کیونکہ ہم نے آپ کی طرف یہ قرآن اُتارا اگرچہ اس قرآن کی وحی سے پہلے آپ بے خبروں میں سے تھے۔)

حاصل کلام

مندرجہ بالا تمام شبہات اور ان کے ازالے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی ذات معصوم ہے اور ناقص فہمی یا کم علمی کی بنیاد پر اگر کسی کے ذہن میں کوئی شبہ پیدا ہوتا ہے تو اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے، یہ اس فرد کی اپنی ہی کوتاہ نظری ہو سکتی ہے، ان شبہات کی کوئی حقیقت نہیں ہے کیونکہ خود قرآن مجید تمام انبیاء کی عصمت کے تحفظ کا دفاع کرتا ہے۔آپ ﷺ کی عصمت کے تحفظ اور اس کے دفاع میں مفسرین کی تشریحات و توضیحات سے واضح ہوتا ہے کہ اس مسئلے میں امت کے علماء کا اجماع ہے کہ آپ ﷺ کی ذات معصومیت کے وصف سے متصف ہے۔اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں بہترین انسانوں کو نبوت کے لیے منتخب فرماتے ہیں ان سے ویسے گناہ سرزد نہیں ہوتے جیسے دیگر انسانوں سے ہوتے ہیں بلکہ ان سے اگر چھوٹی سی لغزش بھی واقع ہو جائے تو اس پر بھی ان کو تنبیہ کر دی جاتی ہے اور ان کو لمحہ بہ لمحہ ہدایت ملتی رہتی ہے۔اس لیے ہم دیگر مذاہب کی طرح نبی کو پیشین گو کہہ کر ان پر رکیک الزام نہیں لگاتے بلکہ اسلام نے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی ذات مبارکہ کی حفاظت کی ہے اور تمام الزامات سے انہیں بچایا ہے کیونکہ اگر رہبر ہی غلطیاں کرنے لگے تو اس کارروان کا کیا حال ہو گا!۔لہٰذا انبیاء کرامؑ کے متعلق ایسا سوچنا کہ انہوں نے معاذاللہ کوئی گناہ کیا تھا اس کو بھی کبیرہ گناہ میں شمار کیا جائے گا اور ایسا فرد اللہ تعالیٰ کے غضب کا مستحق ٹھہرے گا۔

حوالہ جات وحواشی

۱ سورۃ المائدۃ،۵:۴۸

۲ سورۃ حٰم السجدۃ،۴۱،۴۲:۴۱

۳ تفصیل کے لئے عہد نامہ قدیم میں ملاحظہ ہو، کتاب پیدائش، ۲:۲۵، پیدائش، ۳:۸-۱۲، پیدائش، ۶:۲۰—۲۲، پیدائش، ۱۹:۳۰-۳۸

4 James R. Clark, quoting B. H. Roberts, Messages of the First Presidency, edited by James R. Clark, Vol. 4, (Salt Lake City: Bookcraft, 1970), p. xiv–xv

۵ سورۃ الانعام، ۶:۹۰

۶ سورۃ الزمر، ۳۹:۳۷

۷ سورۃ یٰس، ۳۶:۶۰

۸ سورۃ المائدہ ۵:۶۷

۱۹ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم ابن کثیر، دار الکتب العلمیہ، بیروت، تفسیر سورۃ المائدۃ، تفسیر قولہ تعالی " یاایہاالرسول بلغ ماانزل إلیک من ربک "ج ۳ص ۱۵۲

۱۰الطبری، محمد بن جریر، تفسیر الطبری، تفسیر سورۃ المائدۃ ،القول فی تأویل قولہ تعالی " یاایہاالرسول بلغ ماانزل إلیک من ربک "ج ۱۰ص ۴۶۷

۱۱القرطبیؒ، محمد بن احمد الأنصاری، الجامع لأحکام القرآن، سورۃ المائدۃ، قولہ تعالی یاایہاالرسول بلغ ماانزل إلیک من ربک، دار الفکر، ج ۶ص ۱۷۹

12 ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم ابن کثیر، دار الکتب العلمیہ، بیروت، تفسیر سورۃ المائدۃ، تفسیر قولہ تعالی " یاایہاالرسول بلغ ماانزل إلیک من ربک "ج ۳ص ۱۵۱

۱۳ صحیح البخاری، کتاب تفسیر القرآن، سورۃ المائدۃ، باب یاایہاالرسول بلغ ماانزل إلیک من ربک، رقم الحدیث ۴۳۳۶

۱۴سورۃ یونس ۱۰: ۱۵

۱۵الخازن، لباب التأویل فی معانی التنزیل، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۱۵ھ، ج ۱ص ۵۱۲

۱۶ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم ابن کثیر، دار الکتب العلمیہ، بیروت، تفسیر سورۃ المائدۃ، تفسیر قولہ تعالی " یاایہاالرسول بلغ ماانزل إلیک من ربک "ج ۳ص ۱۵۲

۱۷ صحیح مسلم -کِتَاب الْحَجِّ- باب حَجَّةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، رقم الحدیث ۱۲۱۸

۱۸الخازن، لباب التأویل فی معانی التنزیل، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۱۵ھ، ج ۱ص ۵۱۱

۱۹مولانا شبیر عثمانی، تفسیر عثمانی، پاک کمپنی لاہور، ص ۱۶۰

۲۰القرطبیؒ، الجامع لأحکام القرآن، سورۃ المائدۃ، قولہ تعالی یاایہاالرسول بلغ ماانزل إلیک من ربک، دار الفکر، ج ۶ص ۱۷۹

۲۱سورۃ الانعام، ۶: ۵۲

22ابن جریر، محمد بن جریر الطبری، تفسیر الطبری، دار المعارف، تفسیر سورۃ الأنعام » القول فی تأویل قولہ تعالی " ولا تطرد الذین یدعون ربہم بالغداۃ والعشی "، ج ۱۱ص ۳۸۰

۲۳البغوی، الحسین بن مسعود البغوی، تفسیر البغوی، سورۃ الأنعام، تفسیر قولہ تعالی، ولا تطرد الذین یدعون ربہم بالغداۃ والعشی، ج ۳ص ۱۴۶

۲۴ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب فی فضل سعد بن إبی وقاص رضی اللہ عنہ، رقم الحدیث ۴۴۳۴

۲۵الخازن، لباب التأویل فی معانی التنزیل، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۱۵ھ، ج ۲ص ۱۱۶

۲۶الآلوسی، تفسیر الآلوسی۔ روح المعانی، دار إحیاء التراث العربی، ج ۷ص ۱۶۰

۲۷قرطبیؒ، تفسیر القرطبیؒ، دار الفکر، سورۃ الأنعام» قولہ تعالی ولا تطرد الذین یدعون ربہم بالغداۃ والعشی یریدون وجہہ، ج ۶ص ۳۴۰

۲۸الخازن، لباب التأویل فی معانی التنزیل، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۱۵ھ، ج ۲ص ۱۱۶

۲۹سورۃ الانفال ۸: ۶۷

۳۰قرطبیؒ، الجامع لأحکام القرآن، دار الفکر، سورۃ الأنفال، قولہ تعالی ماکان لنبی إن یکون لہ إسری حتی یثخن فی الأرض، ج ۷ص ۴۰۳

۳۱احمد بن محمد بن حنبل بن ہلال بن إسد، مسند الإمام احمد، باقی مسند المکثرین، مسند أنس بن مالک رضی اللہ عنہ، رقم الحدیث ۱۳۱۴۳

۳۲ البیہقی، ابو بکر احمد بن الحسین بن علی، کتاب السنن الکبری، دار المعرفۃ، کتاب قسم الفیء والغنیمۃ، جماع ابواب تفریق القسم، باب ما جاء فی مفاداۃ الرجال منہم بالمال، رقم الحدیث ۱۲۴۸۷

۳۳ صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر، باب الامداد بالملائکۃ فی غزوۃ بدر واباحۃ الغنائم، رقم الحدیث ۳۳۰۹

۳۴ صحیح البخاری، کتاب التیمم، رقم الحدیث ۳۲۸

۳۵ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، دار طیبۃ، تفسیر سورۃ الأنفال» تفسیر قولہ تعالی "ماکان لنبی ان یکون لہ اسری حتی یثخن فی الأرض" ج ۴ ص ۹۱

۳۶ سورۃ الانفال ۸: ۳۳

۳۷ مولانا مودودی، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، ج ۲ ص ۱۵۹

38 استثناء، ۲۰: ۱۳، ۱۴

۳۹ سورۃ الانفال، ۸: ۶۷

۴۰ ایضاً، ۸: ۶۸

۴۱ ایضاً، ۸: ۶۹

۴۲ سورۃ محمد، ۴۷: ۴

۴۳ سورہ الزمر، ۳۹: ۱۸

۴۴ مولانا شبیر عثمانی، تفسیر عثمانی، پاک کمپنی لاہور، ص ۲۴۶

۴۵ الخازن، لباب التأویل فی معانی التنزیل، ج ۲ ص ۲۱۰

۴۶ سورۃ توبہ، ۹: ۴۳

۴۷ سورۃ النور، ۲۴: ۶۲

۴۸ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، دار طیبۃ، تفسیر سورۃ التوبۃ » تفسیر قولہ تعالی "عفا اللہ عنک لم اذنت لہم حتی یتبین لک الذین صدقوا وتعلم۔ ج ۴ ص ۱۵۹

۴۹ الرازی، التفسیر الکبیر، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، التفسیر الکبیر او مفاتیح الغیب، سورۃ التوبۃ، قولہ تعالی عفا اللہ عنک لم اذنت لہم، ج ۶ ص ۶۰

50 القرطبی، الجامع للاحکام القرآن، دار الفکر، سورۃ براءۃ، قولہ تعالی عفا اللہ عنک لم اذنت لہم، ج ۸، ص ۸۴

۵۱ سورۃ توبہ ۹: ۴۷

۵۲ الملا علی قاری، المتوفی ۱۰۱۴ھ، محقق عبد اللہ الخالمیلی، شرح الشفاء للقاضی عیاض، دار الکتاب العربی، ۱۴۰۴ھ، ج ۱ ص ۷۵

۵۳ سید امیر علی ملیح آبادی، جامع البیان تفسیر مواہب الرحمان، مطبع منشی نول کشور، لکھنو، ۱۹۴۸ء ج ۳ ص ۱۲۹، ۱۳۰

۵۴ مفتی شفیع، معارف القرآن، ادارۃ المعارف کراچی، ج ۴ ص ۳۸۵

۵۵ سورہ النور، ۲۴: ۶۲

۵۶ پیر کرم شاہ، تفسیر ضیاء القرآن، ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور، ج ۲ ص ۲۱۵

۵۷ عبدالماجد دریاآبادی، تفسیر ماجدی، پاک کمپنی، لاہور، ص ۴۴۱
۵۸ سورۃ توبہ ۹: ۱۱۷
۵۹ الفیروزآبادی، القاموس المحیط، باب الباء، فصل التاء، ج ۱ ص ۷۱
۶۰ سورۃ النور ۲۴: ۳۱
۶۱ القرطبیؒ، الجامع لأحکام القرآن، دارالفکر، سورۃ براءۃ، قولہ تعالی لقد تاب اللہ علی النبی والمہاجرین والأنصار ج ۸ ص ۱۹۷
62 ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، تفسیر سورۃ التوبۃ ، تفسیر قولہ تعالی "لقد تاب اللہ علی النبی والمہاجرین والأنصار الذین اتبعوہ، ج ۴ ص ۲۲۹
۶۳ محمد بن جریر الطبری، تفسیر الطبری، تفسیر سورۃ التوبۃ» القول فی تأویل قولہ تعالی " لقد تاب اللہ علی النبی والمہاجرین والأنصار الذین اتبعوہ فی ساعۃ العسرۃ من بعد ما کاد یزیغ قلوب فریق منہم " طبری ج ۱۴ ص ۵۳۹
۶۴ سورۃ توبہ ۹: ۱۱۷
۶۵ الہیثمی، ابوالحسن نورالدین علی بن ابی بکر بن سلیمان، المتوفی: ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، مکتبۃ القدسی، القاہرۃ، ۱۴۱۴ھ، ج ۲ ص ۱۹۴
۶۶ مولانا شبیر عثمانی، تفسیر عثمانی، پاک کمپنی لاہور، ص ۲۷۲، ۲۷۳
۶۷ سورۃ الفتح ۴۸: ۱، ۲
۶۸ پیر کرم شاہ، تفسیر ضیاء القرآن، ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور، ج ۴ ص ۵۳۱
۶۹ قاضی ثناء اللہ، تفسیر مظہری، دارالاشاعت کراچی، ج ۱۰ ص ۳۳۸
۷۰ السیوطی، عبدالرحمٰن بن ابی بکر، جلال الدین، المتوفی: ۹۱۱ھ، الدر المنثور، دارالفکر—بیروت، ۲۰۱۰ء، ج ۱۳ ص ۴۶۶
۷۱ صحیح البخاری، کتاب التہجد، باب قیام النبی صلی اللہ علیہ وسلم اللیل حتی ترم قدماہ، رقم الحدیث ۱۰۷۸
۷۲ پیر کرم شاہ، تفسیر ضیاء القرآن، ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور، ج ۴ ص ۵۳۲
۷۳ سورۃ یوسف، ۱۲: ۳